جیل میں قتل
اشتیاق احمد

محمود ٥ فاروق ٥ فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز

ناول نمبر ۳۶۹

جیل میں قتل

اشتیاق احمد

نام ناول ——— جیل میں قتل

طابع ——— اشتیاق احمد

کتابت ——— سعید نامدار

سرورق ——— محمد مقصود عنید

قانونی مشیر ——— شمیم احمد ایڈووکیٹ

مطبع ——— افضل شریف پرنٹرز

قیمت ——— ۱۸ روپے

سالانہ قیمت ایک ناول ——— ۲۵۰ روپے

سالانہ قیمت دو ناول ——— ۴۵۰ روپے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے قیامت کے دن لوگوں کی صفیں لگائی جائیں گی اور حضرت ابن نمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ جنت والوں کی صفیں لگائی جائیں گی، پھر ایک شخص دوزخ والوں میں ان پر گزرے گا اور ان میں ایک شخص سے کہے گا، اے فلانے، تجھ کو یاد نہیں کہ ایک دن تو نے پانی مانگا تھا اور میں نے تجھ کو ایک گھونٹ پانی پلایا تھا (وہ کہے گا بے شک) آخر وہ اس کی شفاعت کرے گا (مالک کی جناب میں اور یہ دوزخی اس کی شفاعت کی وجہ سے بخش دیا جائے گا) اور ایک اور دوزخی ادھر سے نکلے گا اور جنت والوں میں سے ایک شخص سے کہے گا، تجھ کو یاد نہیں میں نے تجھ کو پانی دیا تھا طہارت کے لیے، پھر وہ اس کی شفاعت کرے گا۔

سنن ابن ماجہ شریف، جلد سوم

صفحہ نمبر ۱۶۳ ، حدیث نمبر ۵۰۵

○

حضرت سراقہ بن جعشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ، بھولے بھٹکے اونٹ (جو اپنے مالک سے علیحدہ ہو جاتے ہیں) میرے حوضوں پر آتے ہیں ، جن کو میں تیار کرتا ہوں اپنے اونٹوں کے لیے تو مجھ کو کچھ ثواب ہوگا ، اگر میں ان اونٹوں کو پانی پینے دوں ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اونٹ میں کیا) ہر کلیجے والے جانور کے پانی پلانے میں جس کو پیاس لگتی ہے ، ثواب ہے —

سنن ابن ماجہ شریف ، جلد سوم ،
صفحہ نمبر ۱۶۶ ، حدیث نمبر ۵۰۶

○

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، جو شخص نرمی سے محروم ہے وہ ساری بھلائی سے محروم ہے —

سنن ابن ماجہ شریف ، جلد سوم ،
صفحہ نمبر ۱۶۶ ، حدیث نمبر ۵۰۷

○

السلام علیکم !

گذشتہ دنوں ایک بہت پڑھے لکھے دوست سے ملاقات ہوئی — بلکہ ملاقات ہوئی کیا ، میں نے خود جا کر ان سے ملاقات کی — ملاقات کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ایک اور دوست نے ان کے بارے میں بتایا تھا ، وہ حد درجے پریشان ہیں — انھوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ کس سلسلے میں پریشان ہیں ، لہذا میں نے فوراً ان سے ملاقات کا پروگرام بنایا ، کیونکہ ان کی پریشانی نے مجھے بہت زیادہ پریشان کر دیا تھا —

دوست کا نام ہے ملک محمد ممتاز — کالج میں پڑھاتے ہیں — کسی نے ان کے ذہن میں دین کے بارے میں بے شمار شکوک اور شبہات پیدا کر دیے — یہ کہ احادیث میں بہت فرق ہیں ، ایک حدیث

دوسری حدیث کی مخالفت کرتی نظر آتی ہے —
لہذا احادیث پر اعتبار کس طرح کیا جا سکتا ہے —
آپ جس طرح نماز پڑھتے ہیں — آپ کی تو اس
طرح پڑھنے سے نماز ہی نہیں ہوتی ، آپ جو یہ
کرتے ہیں تو یہ بھی غلط ہے اور وہ جو کرتے ہیں ،
وہ بھی غلط ہے — مطلب یہ کہ آپ کی پندرہ بیس
سال کی نمازیں سرے سے ہوئیں ہی نہیں —

اب ایسے شخص کی پریشانی کا کیا عالم ہو
گا — جو بے چارہ پندرہ بیس سال سے نمازیں
ادا کر رہا ہے اور دوسرے فرائض بھی ادا کر رہا
ہے اور اس سے اچانک یہ کہ دیا جائے کہ آپ
کی تو آج تک ایک نماز بھی نہیں ہوئی —
اس کی مثال یوں لیجئے — ایک آدمی کسی مضمون
میں ایم . اے کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں اور
خوب محنت کر رہے ہیں ، لیکن عین امتحان
سے پہلے ان سے کہ دیا جائے ، آپ نے تو
جن کتابوں سے تیاری کی ہے ، وہ تو تمام
کی تمام غلط ہیں ، لہذا آپ کی تو ساری تیاری
غلط ہے ، ان کتابوں میں سے تو ایک سوال بھی

نہیں آئے گا — تو جناب ! ایسے آدمی بے چارے
کا کیا حال ہو گا —

سو بالکل ایسا ہی حال میرے دوست کا
تھا ، جب میں ان سے جا کر ملا — اس وقت
رات کے قریباً ساڑھے نو بجے تھے — مجھے دیکھ کر
حیران ہوئے اور بولے — کیسے آنا ہوا — میں
نے بتایا کہ آپ کے ایک دوست نے آپ
کی پریشانی کے بارے میں بتایا تھا ، سو
میں نے اپنا فرض سمجھا کہ آپ کی پریشانی
رفع کرنے کی کوشش کروں — وہ بہت خوش
ہوئے ، شکریہ ادا کیا — میں نے ان سے تفصیلات
پوچھیں تو معلوم ہوا کہ ان کے ذہن میں یہ
بات بٹھائی گئی ہے کہ احادیث آپس میں
ٹکراتی ہیں — ایک حدیث کچھ کہتی ہے تو دوسری
کچھ — نماز تک پڑھنے کے طریقوں میں اس
قدر اختلافات ہیں کہ آدمی کیا کرے ، کس
طرح پڑھے — کس طرح نہ پڑھے ، اسی طرح دوسری
عبادات ہیں — میں تو گھن چکر بن کر رہ گیا ہوں —
جس دوست نے آپ کو میری پریشانی کے بارے

میں بتایا۔ انہوں نے بھی یہی کہا ہے کہ احادیث میں بہت تضاد پایا جاتا ہے۔ اس طرح میں اور بھی اُلجھ گیا ہوں۔

میں نے آدھ گھنٹے تک بالکل خاموش رہ کر ان کی باتیں سنیں اور پھر جب وہ خاموش ہوئے تو میں نے کہنا شروع کیا:

دین کے دشمن دین کے بارے میں اس قسم کی غلط فہمیاں پھیلانے میں بہت ماہر ہیں۔ میں آپ کے اطمینان کے لیے مسلم شریف کی ایک حدیث سناتا ہوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ہمیں ممانعت ہوئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ پوچھنے کی، تو ہمیں اچھا معلوم ہوتا تھا کہ جنگل کے رہنے والوں میں سے کوئی شخص آئے، مگر سمجھ دار ہو، آپ سے پوچھے ہم سنیں، تو جنگل کے رہنے والوں میں سے ایک شخص آیا اور کہنے لگا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں اللہ نے آپ کو بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ایلچی نے سچ کہا۔ وہ شخص بولا، یہ

آسمان کس نے پیدا کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے۔ پھر اس نے کہا، زمین کس نے پیدا کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے۔ پھر اس نے کہا، پہاڑوں کو کس نے کھڑا کیا اور ان میں جو چیزیں ہیں، وہ کس نے پیدا کیں؟ آپ نے فرمایا، اللہ نے۔ تب اس شخص نے کہا، قسم ہے اس کی جس نے آسمان کو پیدا کیا اور زمین بنائی اور پہاڑوں کو کھڑا کیا، کیا اللہ تعالیٰ نے سچ مچ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے۔ ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں ہر دن اور رات میں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس نے سچ کہا۔ وہ شخص بولا، قسم ہے اس کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے، اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ کا حکم دیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں۔ پھر وہ شخص بولا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی نے کہا، ہم پر رمضان کے روزے فرض ہیں ہر سال۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس نے سچ کہا۔ وہ شخص بولا، قسم اس کی جس نے پیدا کیا، اس کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، اللہ نے آدمی کو ان روزوں کا حکم دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں۔ پھر وہ شخص بولا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ایلچی نے کہا کہ ہم پر بیت اللہ کا حج فرض ہے، جو کوئی راہ چلنے کی طاقت رکھے یعنی خرچ راہ اور سواری ہو اور راستے میں امن ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس نے سچ کہا۔ یہ سُن کر وہ شخص پیٹھ موڑ کر چلا اور کہنے لگا، قسم ہے اس کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا پیغمبر کر کے بھیجا، میں ان باتوں سے زیادہ کروں گا نہ کم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر سچا ہے یہ تو جنت میں جائے گا۔

(مسلم شریف، جلد نمبر۱، صفحہ نمبر ۸۶)

حدیث سُنانے کے بعد میں نے کہا، اب دیکھیے یہ ہے ہمارا سیدھا سادا دین۔ اس میں قطعاً کوئی اُلجھن نہیں، جھگڑا نہیں۔ اس پر عمل کرنا اس قدر آسان ہے مَیں کیا بتاؤں۔ لوگوں نے بلا وجہ اسے مشکل بنا دیا ہے۔ ہمارے دین میں آسانی ہی آسانی ہے۔

رہی یہ بات کہ احادیث میں تضاد ہے۔ ایک حدیث کچھ کہتی ہے، دُوسری کچھ۔ تو یہ بات بھی بالکل غلط ہے۔ حدیث کا علم جن لوگوں کو نہیں، صرف وہ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ جب حدیث کے کسی عالم سے بات کریں گے تو یہ اُلجھن بھی دُور

ہو جائے گی۔ موٹی سی بات یہ ہے کہ جو حدیث قرآن سے ٹکرائے، وُہ حدیث صحیح نہیں۔ مطلب یہ کہ کچھ لوگوں نے جھوٹی احادیث گھڑ لی ہیں، لیکن حدیث کے اماموں نے باقاعدہ ان احادیث کی نشان دہی کر دی ہے کہ فلاں فلاں حدیث جھوٹی ہے، گھڑی ہوئی ہے۔ یا ضعیف ہے۔ اور جو احادیث صحیح ہیں، ان کے ساتھ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ وُہ حدیث صحیح ہے۔ ان حالات میں آخر پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ گھڑی ہوئی احادیث کی نشان دہی تو کر دی گئی ہے۔ ان کے بارے میں یہ کہنا کہ بہت سی احادیث دُوسری احادیث کے مطابق نہیں ہیں۔ بالکل غلط بات ہے۔ وُہ تو احادیث ہیں ہی نہیں۔ اور جو احادیث ہیں، وُہ ایک دُوسرے سے نہیں ٹکراتیں۔

میں نے قریباً ایک گھنٹے تک ان سے گفتگو کی، جن دوسرے مسائل پر انھیں اُلجھایا گیا تھا۔ ان کے بارے میں بھی انھیں مطمئن کیا۔ انھیں احادیث پڑھ کر سنائیں۔ اور جب میں اٹھا تو وُہ سو فی صد پُرسکون ہو چکے تھے، مطمئن ہو چکے تھے۔

یہ دو باتیں اس لیے لکھ دی ہیں کہ آج کل
سیدھے سادے مسلمانوں کو ورغلا کر انھیں دین کے بارے
میں اُلجھن میں مبتلا کر دینے والے عام ملتے ہیں۔ آپ
ایسے لوگوں سے ہوشیار رہیں، خبردار رہیں۔ اور اگر
کسی وجہ سے آپ اُلجھن میں مبتلا کر دیے گئے ہیں
تو اپنی اُلجھن مجھے لکھیں۔ ان شاء اللہ قرآن اور حدیث
کے ذریعے آپ کی اُلجھن رفع کر دی جائے گی۔

خوف کی بُو

"جیلر صاحب!

آپ کی جیل کے صرف پندرہ آدمی مجھے قتل کرنے
ہیں۔ آپ ان میں سے کون سے پندرہ آدمی قتل کروانا
پسند کریں گے۔ اگر نام آپ نے نہ بتائے تو پھر
میں خود تجویز کروں گا۔ آپ حفاظتی انتظامات کر
لیں۔ پہلا قتل پہلی تاریخ کو ہوگا اور دوسرا دوسری
کو۔ پہلے مقتول کا نام الف سے شروع ہوگا اور
دوسرے مقتول کا نام بے سے۔ آپ مجھے اسی
ترتیب سے نام دے دیں۔ ورنہ نام میں ترتیب
دوں گا۔ آپ جو نام تجویز کریں۔ ان کی لسٹ
جیل کے دروازے پر لگا دیں۔ شکریہ!

موت"

"موت!" جیلر صاحب بڑبڑائے۔

انھوں نے خط کو ایک بار پھر پڑھا - تیسری بار پڑھا اور پھر گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی :

"یس سر" چپراسی نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ڈپٹی صاحب کو بلاؤ - جلدی"

چپراسی فوراً گیا اور ایک منٹ بعد ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل کو بلا لایا :

"یس سر"

"یہ خط پڑھیے"

"کس کا ہے - کسی قیدی کا"

"نہیں - ڈاک سے موصول ہوا ہے"

ڈپٹی صاحب نے خط پڑھا اور دھک سے رہ گئے -

"یہ - یہ کیا ہے سر؟"

"یہی تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں"

"م - مجھ سے پوچھنا چاہتے ہیں - لیکن کیا؟"

"اس خط کا مقصد کیا ہے؟"

"اس کا مقصد - بھلا میں کس طرح بتا سکتا ہوں - اوہو - میں سمجھ گیا سر" انھوں نے چونک کر کہا۔

"بہت خوب - آپ سمجھ گئے نا - اسی لیے تو میں نے فوراً آپ کو بلایا تھا - کہ آپ بات کی تہ تک بہت جلد پہنچ

جاتے ہیں - اچھا بتائیے - کیا بات ہے؟"

"سر! کل یکم اپریل ہے - آپ کے کسی دوست نے مذاق کیا ہے"

"اوہ - دھت تیرے کی - ضرور یہی بات ہے - ل - لیکن بھئی" جیلر صاحب ہکلائے۔

"لیکن کیا سر؟"

"بھئی - یکم اپریل تو کل ہے - اگر یہ مذاق ہے تو خط کل ملنا چاہیے تھا"

"ارجنٹ ڈاک والوں نے کچھ زیادہ تیزی دکھائی ہوگی - ایک دن پہلے خط پہنچ گیا"

"ہوں! اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے - اس کا مطلب ہے، اس خط پر توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں"

"بالکل نہیں سر"

"لیکن مجھے ایسے مذاق پسند نہیں - اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ میرے کس دوست کا کام ہے - تو میں اس کی خوب خبر لوں - اوہ ہاں بالکل" جیلر صاحب چونکے۔

"کیا بالکل سر؟" ڈپٹی صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میں یہ کام ان تینوں کے ذمے لگاتا ہوں - آج کل میرے بچے کے کلاس فیلو ہیں نا - جب سے میں یہاں تبدیل ہو کر

آیا ہوں — ان تینوں کا ہمارے ہاں آنا جانا ہے۔"

"آپ کن تینوں کی بات کر رہے ہیں سر؟" ڈپٹی صاحب نے حیران ہو کر پوچھا۔

"محمود، فاروق اور فرزانہ — انسپکٹر جمشید کے بچے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"بھئی ماجد — وہ آج — تمہارے دوست تو نہیں آئے؟"

"کون سے دوست ڈیڈی؟"

"محمود، فاروق اور فرزانہ۔"

"جی نہیں — آج تو نہیں آئے — کیوں ڈیڈی، کوئی خاص بات؟"

"ان سے کام ہے۔"

"تو فون کر کے بلا لیتے ہیں۔"

"ہاں! بلا ہی لو۔"

ماجد نے اسی وقت فون کا ریسیور اٹھایا اور نمبر ملانے لگا، فوراً ایک بارعب آواز سنائی دی:

"السلام علیکم!"

"جی — وعلیکم السلام — انکل میں ماجد بول رہا ہوں — ذرا محمود سے بات کرا دیں۔"

"خیر تو ہے ماجد صاحب — آپ کی آواز میں قدرے گھبراہٹ ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ڈیڈی کو محمود وغیرہ سے کچھ کام ہے۔"

"تب تو وہ کام میں بھی کر سکتا ہوں، کیونکہ وہ تینوں تو اس وقت گھر میں نہیں ہیں — ایک گھنٹے تک لوٹیں گے۔"

"تب پھر — آپ انھیں ہماری طرف بھیج دیجیے گا۔"

"اچھی بات ہے، لیکن بات کیا ہے؟"

"بات تو ڈیڈی بتا سکتے ہیں۔"

"تو پھر ریسیور انھیں دے دیں۔"

ماجد نے ریسیور جیلر صاحب کی طرف بڑھا دیا اور بولا:

"انکل ہیں — آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"انسپکٹر صاحب السلام علیکم!" جیلر صاحب بولے۔

"وعلیکم السلام — غازی صاحب — خیر تو ہے۔"

"وہ — دراصل مجھے ایک خط ملا ہے ارجنٹ ڈاک سے — ویسے تو میں سمجھ گیا ہوں کہ کسی نے مذاق کیا ہے، کل یکم اپریل ہے نا — خط غالباً ایک دن پہلے مل گیا۔"

"آپ خط کے الفاظ پڑھ کر سنا دیں — میں جان

جاؤں گا کہ یہ مذاق ہے یا کیا ہے۔"

"بہت بہتر!" انھوں نے کہا اور خط پڑھنا شروع کر دیا۔

"اوہو ۔ یہ تو کسی کا مذاق نہیں ہو سکتا۔" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"کیا مطلب ۔ تت ۔ تو کیا ۔ مجھے حفاظتی انتظامات کر لینے چاہییں۔"

"ہاں بالکل ۔ مجھے تو اس خط سے خوف کی بو آ رہی ہے۔"

"اچھی بات ہے ۔ تب تو میں ابھی انتظامات شروع کرتا ہوں۔"

"اور جن قیدیوں کے نام الف سے شروع ہوتے ہوں ۔ انھیں الگ کر لیں ۔ ان کی حفاظت خاص طور پر ضروری ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں ایسا ہی کروں گا ۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"اگر میری ضرورت محسوس ہو تو فون کر دیجیے گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

انھوں نے ریسیور رکھ دیا اور ڈپٹی کی طرف مڑے:

"انسپکٹر جمشید کا خیال ہے ۔ یہ مذاق ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

"وہ نجومی تو نہیں ہیں جناب۔" ڈپٹی صاحب نے منہ بنایا۔

"کاشف علی صاحب ۔ یہ لوگ اڑتی چڑیا کے پر گن لینے سے بھی زیادہ ماہر خیال کیے جاتے ہیں ۔ اچھا میں کہتا ہوں ۔ چاہے ان کا خیال غلط ہی کیوں نہ ہو ۔ ہمیں حفاظتی انتظامات کر لینے چاہییں ۔ آخر اس میں کیا حرج ہے۔"

"حرج ہے سر ۔ پوری جیل میں خوف کی لہر دوڑ جائے گی۔" ڈپٹی صاحب بولے۔

"تو کیا ہوا ۔ دوڑ جائے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

"آپ فوراً ان قیدیوں کی لسٹ تیار کروائیں ۔ جن کے نام الف سے شروع ہوتے ہیں ۔ اور پھر ان قیدیوں کو الگ کرا لیں۔"

"آپ فکر نہ کریں سر ۔ یہ کام تو ابھی ہو جاتا ہے۔"

یہ کہہ کر ڈپٹی صاحب اٹھے اور باہر نکل گئے ۔ دوسرے دن صبح سے ہی الف سے شروع ہونے والے قیدیوں کو بالکل الگ ۔ ایک بڑے کمرے میں بھر دیا گیا ۔ اور باہر تالا لگا دیا گیا ۔ کمرے کے چاروں طرف مسلح افراد مقرر کر دیے گئے ۔ جیلر صاحب نے ڈپٹی صاحب کو ان کی نگرانی پر مقرر کر دیا ۔ ابھی تک قیدیوں کو یہ نہیں

بتایا گیا تھا کہ کیا چکر ہے۔ وہ سب حیران تھے۔ وہ کل سو کے قریب آدمی تھے:

اچانک اس بڑے کمرے میں ایک شور گونجا:

"ارے ارے۔ انھیں کیا ہوا۔ بچاؤ۔ بچاؤ۔ دروازہ کھولیے صاحب۔ دیکھیے۔ ارسلان صاحب کو کیا ہو گیا ہے؟"

ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ فوراً لپکے۔ اندر ہل چل مچی ہوئی تھی:

"کیا ہے۔ کیوں چیخ رہے ہو؟" وہ چلائے۔

"یہ۔ یہ دیکھیے۔ ارسلان صاحب کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔ ان کا پورا جسم مچھلی کی طرح تڑپ رہا ہے۔ منہ سے نیلے رنگ کی جھاگ نکل رہی ہے۔"

"کیا!!!" وہ چلائے۔ اور پھر انھوں نے تالا کھول ڈالا۔ جونہی وہ اندر داخل ہوئے۔ ارسلان کا جسم سرد ہو چکا تھا۔ انھوں نے جلدی سے نبض دیکھی۔ دل کی حرکت محسوس کی۔ لیکن۔ ان میں زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ انھوں نے کہا:

"اُف۔ یہ کیا ہوا۔ غازی صاحب کو بلاؤ۔ جلدی کرو۔"

نگرانی کرنے والوں میں سے ایک غازی صاحب کے کمرے کی طرف دوڑ گیا۔ جلد ہی غازی صاحب ہانپتے

ہوئے وہاں پہنچ گئے:

"کک۔ کیا ہوا؟" وہ بولے۔

"وہی ہو گیا جس کا ڈر تھا۔"

"کیا مطلب؟" وہ زور سے اُچھلے اور پھر ان کی نظر فرش پر ساکت پڑے ارسلان کے جسم پر پڑی۔

"یہ۔ یہ کیا۔ ارسلان صاحب۔ مشہور و معروف سیاسی لیڈر کی موت واقع ہو چکی ہے۔ اُف۔ یہ کیا ہوا؟"

"اس کا مطلب ہے۔ وہ غلط خط نہیں تھا۔" کاشف علی صاحب نے پریشان آواز میں کہا۔

"انسپکٹر جمشید کا خیال درست نکلا۔ یہ مذاق نہیں تھا۔"

"تب تو یہ اور بھی خطرناک بات ہے۔ اس خط کی رو سے تو پندرہ..."

"نن۔ نہیں۔" غازی صاحب چلائے۔

"سب سے پہلے تو انسپکٹر جمشید کو فون کرنا چاہیے، میں یہ کیس عام پولیس کے ذمے تو لگاؤں گا نہیں۔ مجھے تو بہت اُلجھن محسوس ہو رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں انھیں فون کرتا ہوں۔" کاشف علی صاحب بولے اور پھر فون کرنے چلے گئے۔ جلد ہی دوسری طرف سے کسی نے کہا:

"السلام علیکم!"

"ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے۔ خط والی بات درست نکلی اور پہلی واردات ہو چکی ہے۔"

"تو آپ کو معلوم ہے۔"

"ہاں! ابا جان جانے سے پہلے ساری بات بتا گئے تھے۔" محمود نے کہا۔

"کیا مطلب۔ جانے سے پہلے۔ کہاں جانے سے پہلے؟" انھوں نے کہا۔

"انھیں ایک اور شہر میں اچانک ایک کیس کے سلسلے میں جانا پڑا ہے۔ دو تین دن تک لوٹیں گے۔"

"اوہ! اب کیا ہوگا؟"

"وہی ہوگا۔ جو اللہ کو منظور ہوگا۔"

"ہاں! یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن اب ہم یہاں کسے بلائیں؟" ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ بولے۔

"آئی جی صاحب سے بات کرلیں۔ ویسے ہم تو آ ہی رہے ہیں۔"

"آپ۔ آپ بھلا اس کیس میں کیا کرلیں گے۔"

"کیوں! اس کیس میں کیا کوئی خاص بات ہے۔"

"آپ کے لیے ہو سکتا ہے، کوئی خاص بات نہ ہو، لیکن ہمارے لیے تو ہے۔ ہمارا واسطہ بھلا ایسے معاملات سے کب پڑتا ہے۔"

"ہوں! ہم آ رہے ہیں۔ باقی آپ جانیں آئی جی صاحب جانیں۔" محمود نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

تینوں نے جیل پہنچنے میں دیر نہ لگائی۔ ڈپٹی صاحب دروازے پر کھڑے نگرانوں کو پہلے ہی بتا چکے تھے، لہٰذا انھیں فوری طور پر کمرۂ واردات تک پہنچا دیا گیا۔ اندر غازی صاحب بے قراری کے عالم میں ٹہل رہے تھے۔ انھیں دیکھ کر رک گئے:

"اوہو۔ آپ آ گئے۔"

"خیر تو ہے۔ آپ بہت پریشان ہیں۔"

"تو کیا آپ کے خیال میں یہ بات پریشانی کی نہیں ہے۔" غازی صاحب بولے۔

"پریشانی کی تو خیر ہے، لیکن اس کا حل پریشان ہونا نہیں ہے۔ مردانہ وار حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔"

"ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن میری پریشانی بھی بجا ہے۔ قتل ہونے والا ایک سیاسی آدمی ہے اور اپنی سیاسی پارٹی کا سربراہ ہے۔ اس پارٹی کے لوگ تو بول

دیں گے جیل پر حملہ۔"

"لیکن اس میں آپ کا تو کوئی قصور نہیں۔ بہر حال اس کا انتظام بھی ہو جاتا ہے۔ آپ نے آئی جی صاحب کو ساری صورتِ حال بتا دی ہے؟"

"ہاں بالکل! وہ خود تشریف لانے والے ہیں۔"

"جیل کی حفاظت کے انتظامات فوری طور پر کر لیے جائیں، قاتل اس خبر کو جیل تک نہیں رہنے دے گا۔"

"قق۔ قاتل۔" کاشف علی خوف زدہ انداز میں بولے۔

"ہاں! اس نے جو یہ واردات کی ہے۔ تو اس کے پیچھے کوئی خاص مقصد ہے۔ اور میں محسوس کر رہا ہوں۔ جیل پر حملہ ہو گا۔ آج نہیں تو کل ہو گا۔"

"آپ تو مجھے اور پریشان کیے دے رہے ہیں۔"

"ہم آپ کی پریشانیوں میں اضافہ کرنے نہیں۔ کمی کرنے آئے ہیں۔ اور خطرات سے خبردار کر دینے میں ہی بہتری ہوتی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہوں۔ بات ٹھیک ہے۔"

"اب ذرا ہم لاش کا معائنہ کر لیں۔"

تینوں اندر داخل ہو گئے۔ ارسلان خان چت لیٹے تھے۔ اور ان کا چہرہ حد درجے بھیانک لگ رہا تھا۔

ان کی آنکھیں باہر کو اُبلی ہوئی تھیں۔ اور نیلے رنگ کا جھاگ گلے کے پاس سے کپڑوں کو خراب کر چکا تھا۔

ایسے میں محمود کی نظریں ایک چمکتی چیز پر چپک کر رہ گئیں۔

جمیل کی کوشش

ہوٹل مون لائٹ کے ہال میں ایک خوفناک آواز گونجی:
"کیا بدتمیزی ہے۔ میں اس ہوٹل کو الٹ پلٹ کر رکھ دوں گا۔"

آواز نے پورے ہال پر سناٹا طاری کر دیا، پھر ایک باریک آواز سنائی دی:

"یہ کون بولا تھا؟"

اور پھر ایک دبلا پتلا آدمی کاؤنٹر کے دوسری طرف سے نکل کر ہال کے درمیان میں آ گیا۔

"میں بولا تھا۔" لمبے قد کے ایک صحت مند آدمی نے گرج کر کہا۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں؟" دبلے پتلے آدمی نے جھلا کر کہا۔

"یہ کھانا ہے۔ ذرا دیکھو۔ ایک ہی پلیٹ میں اکٹھی تین مکھیاں۔" اس نے کہا۔

"تین مکھیاں۔ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ یہاں مکھیاں کہاں سے آ گئیں؟" دبلے پتلے آدمی نے غرا کر کہا۔

"میں یہاں کی بات نہیں کر رہا۔ کھانے کی پلیٹ کی بات کر رہا ہوں۔ اس ہال میں بے شک کوئی مکھی نظر نہیں آ رہی۔ لیکن ہوٹل کے باورچی خانے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔ کیا وہاں بھی مکھیاں نہیں ہیں؟"

"نہیں۔ بالکل نہیں۔"

"تب پھر اس پلیٹ میں کہاں سے آ گئیں۔"

"یہ آپ باہر سے پکڑ کر لائے تھے۔ تاکہ ہوٹل میں ہنگامہ کر سکیں اور ہمیں ڈرا دھمکا کر کچھ رقم اینٹھ سکیں۔ لیکن ایسا ہو گا نہیں۔"

"کیا بکواس ہے۔ جتنی مکھیاں کہو۔ میں اس ہوٹل میں دکھا سکتا ہوں۔"

"ضرور کیوں نہیں۔ آپ ایک مکھی ہی دکھا دیں۔"

"وہ دیکھو۔ ہال میں اڑ رہی ہیں۔ آنکھ سے پیدل انسان۔" اس نے غرا کر کہا۔

دبلے پتلے آدمی نے جو ہال کی فضا کو دیکھا تو وہاں واقعی مکھیاں اڑ رہی تھیں۔ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا:

"یہ۔ یہ کہاں سے آ گئیں؟"

کر دیجیے۔ ان مکھیوں کو بھی میں اپنے ساتھ باہر سے
لایا ہوں — میرا حکم مانتی ہیں نا مکھیاں۔ میں نے ان سے کہا
ہو گا — آؤ پیاری مکھیوں — ہوٹل مون لائٹ میں دعوت کھانے
چلو — اور یہ میرے ساتھ ہو لیں۔"

"یہ — یہ بات نہیں۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تو پھر کیا بات ہے؟"

"سوال یہ ہے کہ یہ مکھیاں ہوٹل کی فضا میں زندہ کیسے ہیں۔"

"کیوں — یہاں کی فضا کو کیا ہو گیا — کسی پاگل کتے نے
کاٹ کھایا ہے کیا فضا کو۔" اس نے پھاڑ کھانے والے انداز
میں کہا۔

"مسٹر! آپ کا دماغ چل گیا ہے شاید — اوٹ پٹانگ
بکے چلے جا رہے ہیں۔"

"اور میں کیا کروں — یہاں کا تو آوے کا آوا ہی بگڑا
ہوا ہے۔"

"یہ ایک اور رہی — کیا بگڑا ہوا ہے؟" دبلے پتلے نے کہا۔

"آوے کا آوا۔"

"وہ کیا ہوتا ہے؟"

"میں یہاں اردو پڑھانے نہیں آیا — کھانا کھانے آیا تھا،
لیکن مکھیوں والا کھانا کس طرح کھاؤں — یہ آپ بتا دیں — اب

تو میں نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ یہاں مکھیاں ہیں۔"

"ہوٹل کی فضا میں مکھیاں زندہ نہیں رہ سکتیں — یہ ضرور
کوئی اور چیز ہیں۔"

"کوئی اور چیز — لیجیے — اب یہ مکھیاں نہیں، کوئی اور چیز
بن گئیں — ہے کوئی تک — اگر یہ مکھیاں نہیں ہیں، تو پھر کیا
ہیں؟ اور زندہ کیوں ہیں؟ یہ آپ بتا دیں۔"

"میں بتاؤں گا بچو اور بہت اچھی طرح بتاؤں گا، لیکن
ایسے نہیں — تم جیسوں کو سیدھا کرنا مجھے آتا ہے۔" یہ کہہ کر
اس نے تالی بجائی۔

"تت — تو کیا آپ ہوٹل کے مالک ہیں؟"

"نہیں — صرف منیجر ہوں — اور تمہارے لیے بہت کافی ہوں۔"

اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی — اور دس
بلے تڑنگے غنڈے وہاں آ دھمکے:

"یہ کون حضرات ہیں؟"

"یہ — ہوٹل کے ملازم ہیں — آپ جیسوں کو سیدھا کرنے
کے لیے رکھے ہوئے ہیں — ابھی چند منٹ میں یہ آپ کے
غبارے میں سے ہوا نکال کر رکھ دیں گے۔"

"وہ تو میں آج بھرنا ہی بھول گیا — یہ بے چارے
نکالیں گے کیا؟"

"ان صاحب کو اٹھا کر باہر پھینک دو۔"

"دو۔ دیکھو بھئی۔ نزدیک آنے کی کوشش نہ کرنا۔ با
تو میں خود چلا جاؤں گا۔ لیکن ذرا ان گھیسوں کا حساب
لے لوں ان سے۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"دیکھا۔ یہ ہم سے گھیسوں کا حساب لینا چاہتے ہیں۔
یہی خود پکڑ کر لائے تھے۔"

"یہ کس نے کہ دیا؟" لمبے آدمی نے کہا۔

"آپ کے اپنے الفاظ نے۔"

"میں ان باتوں کو نہیں مانتا۔ میں تو صرف ایک بات
مانتا ہوں۔" آدمی نے کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ آپ نے ہوٹل میں ہنگامہ کیا ہے۔ ہمارے
ہوٹل کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کی سزا ض
ملے گی۔ اٹھا کر لے جاؤ بھئی انہیں۔ اور باہر لے جا
چھوڑ نہ دینا۔ ذرا یہ مرمت کے بھی قابل ہیں، تاکہ پ
اس طرف کا رخ کرنے کی کوشش نہ کر سکیں۔"

"اور میں کہتا ہوں۔ میرے نزدیک نہ آنا، ورنہ..."

"اوہو۔ اسے تو ورنہ کہنا بھی آتا ہے۔"

"ہاں! کیوں نہیں۔ کہنے کو تو مجھے اور بھی بہت

آتا ہے۔"

"تم نے سنا نہیں۔ لے جاؤ اسے۔ ادھ موا تو ضرور
کر دینا۔"

دس غنڈے اس کی طرف بڑھے۔ وہ ان کے درمیان
چھوٹا سا لگ رہا تھا۔ اگرچہ قد و قامت اور ڈیل ڈول
کے لحاظ سے وہ بھی ایک صحت مند اور مناسب جسم کا
آدمی تھا۔

"کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا۔" دس میں سے ایک نے
کہا اور ایک لات اس کے پہلو پر رسید کر دی، لیکن لات
اس کے نہ لگی اور وہ خود دور جا کر گرا۔ یہ دیکھ کر باقی نو
اس پر ایک ساتھ جھپٹے اور سب نے مل کر اسے پکڑ
لیا۔ اب وہ اسے باہر کی طرف کھینچنے لگے۔ وہ غریب
گھسٹنے لگا۔ دور تک گھسٹتا چلا گیا۔ اچانک نو میں سے
ایک زور سے اچھلا۔ اور پھر تو ہوٹل کے ہال میں زلزلہ سا
آ گیا۔ وہ باری باری انہیں اچھالنے لگا۔ اس وقت انہیں
معلوم ہوا۔ اس میں غضب کی طاقت تھی۔

اچانک پولیس کی گاڑیوں کے سائرن سنائی دینے
لگے۔ نوجوان کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار طاری ہو
گئے۔ اس نے ہوٹل کے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی،

عین اس وقت اسے زبردست دھکا لگا اور وہ الٹ کر اندر کی طرف گرا۔ ساتھ ہی پندرہ بیس پولیس والوں نے اسے دبوچ لیا۔ پھر بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ اور ایک پولیس آفیسر اندر داخل ہوا۔ وہ اس نوجوان کے قریب آکر رک گیا۔ سب لوگ اسے بُری طرح جکڑے ہوئے تھے۔ پولیس آفیسر کی نظر جونہی اس کے چہرے پر پڑی۔ وہ چلا اُٹھا:

"ارے! یہ۔ یہ تو رانا مانگا ہے۔ مشہور ڈاکو۔"

"رانا مانگا۔" سب لوگ چلا اُٹھے اور پھر اندر خوف کی لہر دوڑ گئی۔

جلد ہی رانا مانگا کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نظر آئیں۔ اور بیس کے قریب آدمی اسے کھینچ کر ہوٹل سے باہر لے گئے۔

"اس سے اس بے وقوفی کی امید نہیں تھی۔" ہال میں ایک آواز اُبھری۔

"کس بے وقوفی کی؟"

"اگر یہ جھگڑا نہ کرتا تو کسی کو پتا نہ چلتا کہ کون ہے اور کھانا کھا کر چلتا بنتا۔"

"تم نے سنا نہیں۔ جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ

شہر کا رُخ کرتا ہے۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ اب آئیں گے اسے مزے۔"

باہر رانا مانگا کو پولیس کی گاڑی میں بٹھایا گیا اور پولیس ہیڈ کوارٹر لایا گیا۔ ایس پی نے اس کے چہرے کو چھڑی کی نوک سے اُوپر کرکے دیکھا اور پھر کہا:

"اسے فوراً جیل میں پہنچا دو۔ اگر یہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تو اس کا فرار ہمارے کھاتے میں پڑ جائے گا۔"

"او کے سر۔"

اسے اسی وقت بند گاڑی میں لے جایا گیا۔ جیل کے اندر اسے جیلر صاحب کے کمرے میں لایا گیا، لیکن وہاں اس وقت جیلر صاحب نہیں تھے۔ لہٰذا نگران اس کے گرد موجود رہے۔ ایسے میں انسپکٹر جیل وہاں سے گزرا۔ انہیں دیکھ کر رک گیا اور بولا:

"یہ حضرت ہاتھ کس طرح لگ گئے؟"

"ایک ہوٹل میں ہنگامہ کر رہے تھے۔ بس شامت آئی تھی۔"

"کس قدر عجیب لگتا ہے۔ جو ڈاکو بڑے بڑے معرکوں میں قابو میں نہ آسکا۔ وہ اس طرح پکڑا گیا۔"

"بے وقوفی اسی کا نام ہے۔"

انسپکٹر جیل اندر آ گیا — پہلے تو رانا مانگا کے چہرے کا بغور
جائزہ لیتا رہا، پھر طنزیہ انداز میں بولا:
"بچو! اب جیل کی چکی پیسو گے تو آئے گا مزا۔"
"کون مائی کا لال ہے — جو مجھ سے چکی پسوائے۔" اس نے
غرا کر کہا۔
"میں — میں پسواؤں گا تم سے چکی بچو۔"
"چلو شرط رہی — اگر تم مجھ سے چکی پسوانے میں کامیاب
ہو گئے تو ساری عمر غلامی کروں گا۔"
"میں تمہاری غلامی کو کیا چاٹوں گا۔" انسپکٹر نے منہ بنایا۔
"تم سمجھے نہیں انسپکٹر۔" اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔
"کیا نہیں سمجھا؟"
"یہ کہ جب میں اپنے آپ کو تمہاری غلامی میں دے دوں
گا تو پھر میری ہر چیز تمہاری ہو گی — میرے پاس بے تحاشہ
دولت ہے — وہ تمہاری ہو گی۔"
"بہت خوب — اب تو میں چکی پسوا کر رہوں گا۔"
"لیکن ایک بات نوٹ کر لو۔"
"اور وہ کیا؟"
"یہ کہ اگر نہ پسوا سکے تو پھر میں بھی اپنی مرضی کروں گا۔"
"کیا مطلب؟" انسپکٹر نے چونک کر کہا۔

"مطلب پھر بتاؤں گا — یہ جیلر صاحب کہاں رہ گئے آج؟"
"جیل میں ایک قتل ہو گیا ہے — اور یہ قتل 'موت' نامی
گمنام شخص نے کیا ہے۔"
"اوہ — موت۔" اس نے گھبرا کر کہا۔
"کیوں — کیا ہوا — کیا تم موت کے بارے میں کچھ جانتے
ہو؟" انسپکٹر نے چونک کر پوچھا۔
"نن — نہیں۔" اس نے خوفزدہ انداز میں کہا۔
"تت — تم ضرور جانتے ہو — میں اڑتی چڑیا کے پر گن
لیتا ہوں۔"
"نہیں! میں اس کے بارے میں بالکل کچھ نہیں جانتا۔" اس
کے لہجے میں خوف تھا۔
"میرا نام انسپکٹر بومی ہے — معلوم کر کے رہوں گا۔"
"دیکھا جائے گا۔"
"اگر تم اس کے بارے میں کچھ جانتے ہو، تو بتا دینے
میں کیا حرج ہے — اس طرح شاید کچھ اور لوگ قتل ہونے
سے بچ جائیں۔"
"کک — کیا مطلب؟" اس نے گھبرا کر کہا۔
"مطلب یہ کہ وہ جیل کے بہت سے قیدیوں کو ہلاک کرنا
چاہتا ہے۔"

"آخر کیوں؟"

"یہ ہمیں معلوم نہیں ، لیکن اگر ہم 'موت' کے بارے میں کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر شاید یہ کام وہ نہ کر سکے۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں ضرور اس کے بارے میں بتاؤں گا۔ چاہے میری جان چلی جائے۔ اس کے بارے میں منہ کھولنے والا زندہ نہیں بچتا۔" اس نے روانی کے عالم میں کہا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر کومی نے اسے گھورا۔

عین اس وقت بھاری قدموں کی آواز گونج اٹھی۔

کہاں سے آیا

چمکتی ہوئی چیز سنہرے رنگ کا ایک کارڈ تھا ، اس پر سیاہ رنگ میں 'موت' لکھا تھا۔ گویا یہ موت کا کارڈ تھا جو وہ واردات کرنے کے بعد چھوڑ گیا تھا۔

"حیرت ہے۔ اس بند کمرے میں آخر کارڈ کیسے آ سکتا ہے۔ باہر کھڑے ہو کر کسی کو موت کے گھاٹ تو خیر اتارا جا سکتا ہے۔ ایسا کرنے کے لیے تو ایک زہر کی سوئی بھی کافی ہے۔" محمود نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"جو آدمی سب لوگوں کی نظر بچا کر زہر کی سوئی اندر پھینک سکتا ہے۔ وہ کارڈ بھی اندر پھینک سکتا ہے۔"

"اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ مجرم جیل میں ہی موجود ہے۔ اسے کہیں باہر سے نہیں آنا پڑا۔" فرزانہ نے کہا۔

"حیرت ہے۔ آخر ایسا کون شخص ہے۔ جو جیل کے قیدیوں کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ اور وہ چاہتا کیا ہے۔"

"یہ تو خیر سامنے آ جائے گا — کہ وہ کیا چاہتا ہے — پہلے تو یہاں کارروائی مکمل کرتے ہیں۔"

"اب آئے گی میری مصیبت — جیل میں ایک مشہور سیاسی رہنما کا قتل کوئی معمولی بات نہیں۔" سپرنٹنڈنٹ جیل بولے۔

"لیکن اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔"

"جہاں تک میرا خیال ہے — زہر کی سوئی اندر موجود کسی شخص نے ارسلان خان کے جسم میں داخل کی ہے اور اسی نے یہ کارڈ گرایا ہے۔" فرزانہ نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"کیا کہا — یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے — یہ سب تو قیدی ہیں۔" جیلر صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

"تو کیا ہوا غازی صاحب — کیا ان میں سے کوئی موت کا آدمی نہیں ہو سکتا۔" محمود نے پرزور لہجے میں کہا۔

"اوہ — اوہ۔"

"صاف ظاہر ہے — پہلے 'موت' نے اپنا کوئی آدمی جیل کے اندر بھجوایا — اور اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں — اپنے کسی ورکر سے کوئی واردات کرا دی ہو گی اور ساتھ ہی وہ گرفتار ہو گیا ہو گا — اس طرح اسے جیل میں داخلہ مل گیا ہو گا۔"

"اوہ! لیکن اس صورت میں بھی یہ گاڑی آگے نہیں بڑھتی۔"

ڈپٹی جیلر بول اُٹھے۔

"وہ کیسے جناب۔" تینوں ان کی طرف مڑے۔

"وہ اس طرح کہ اس ہال میں صرف ایسے قیدی موجود ہیں — جن کے نام الف سے شروع ہوتے ہیں — اب باری ہے بے والے کسی نام کی — اس ہال میں اب جو قیدی رکھے جائیں گے — اُن میں اِن قیدیوں میں سے تو کوئی بھی موجود نہیں ہو گا۔"

"ہوں — واقعی — آپ کی بات میں بہت وزن ہے، خیر اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ واردات کس طرح کی گئی — آپ فکر نہ کریں۔"

"فکر کے دن تو ہمارے لیے شروع ہو چکے ہیں جناب، وہ کوئی خاص ذہن ہے — جس نے جیل کا رخ کر لیا ہے۔" ڈپٹی صاحب بولے۔

"جناب کاشف علی صاحب — انسان جب تک زندہ رہتا ہے — کچھ نہ کچھ پیش آتا ہی رہتا ہے۔" محمود نے منہ بنایا۔

اکرام جلد ہی پہنچ گیا — اور اس کے ماتحتوں نے اپنا کام فوراً شروع کر دیا —

"انکل! اس کارڈ کو دیکھیے — کبھی اس نام کے مجرم سے آپ کا واسطہ پڑا ہے؟"

سب انسپکٹر اکرام نے کارڈ دیا اور پھر کارڈ اس کے ہاتھ
سے چھوٹ گیا۔ اس کی پیشانی پر یک دم پسینہ آ گیا۔

"کیا بات ہے انکل۔ خیر تو ہے۔"

"اگر یہ واردات موت نے کی ہے۔ تو پھر ہم سمجھ لیں،
آ گئی مصیبت۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"پانچ سال پہلے بھی اس شہر میں موت کا غلغلہ ہوا تھا۔"

"اوہو اچھا۔"

"اس نے اوپر تلے پندرہ وارداتیں کی تھیں۔ پندرہ
آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اور اتارا بھی کس طرح
تھا۔ ا، ب، پ وغیرہ کے لحاظ سے۔"

"اوہ! اس مرتبہ بھی یہی صورت حال ہے انکل۔" محمود نے
کہا اور جلدی جلدی تفصیل سنا دی۔

"حیرت ہے۔ یہ بات تو بہت خوفناک ہے۔" اس نے
گھبرا کر کہا۔

"پہلے آپ اپنا کام مکمل کر لیں، پھر اس سلسلے میں
بات کریں گے۔ ویسے کیا پانچ سال پہلے اس کی گرفتاری
عمل میں نہیں آئی تھی؟"

"اگر گرفتاری عمل میں آئی ہوتی تو آج وہ پھر سے

وارداتیں کرنے میں کس طرح کامیاب ہو جاتا۔"

"میرا مطلب ہے۔ شاید اسے گرفتار کر لیا گیا ہو اور
پھر وہ فرار ہو گیا ہو۔"

"نہیں! ایسی بات نہیں۔ اس کا سراغ ہی نہیں
لگایا جا سکا تھا۔"

"ان دنوں ہم کہاں تھے؟"

"آپ لوگ ایک افریقی ملک میں کوئی بڑا معرکہ سر کرنے
گئے ہوئے تھے۔ جب آپ واپس آئے تو وہ کارروائیاں
بند کر کے غائب ہو چکا تھا۔ میرا مطلب ہے۔ اس کا
غلغلہ ختم ہو چکا تھا۔"

"ہوں خیر۔ اس بار ہم یہاں موجود ہیں۔ اسے غائب
نہیں ہونے دیں گے۔"

اکرام نے اپنا کام مکمل کیا ہی تھا کہ جیل کے ایک
ملازم نے آ کر جیلر صاحب کے کان میں کچھ کہا۔ وہ
فوراً بولے:

"مجھے ذرا دفتر میں کچھ کام ہے۔ میں چند منٹ
تک آتا ہوں۔"

"اوکے سر۔" ڈپٹی صاحب فوراً بولے۔

لاش کے جسم کا معائنہ کیا گیا تو اس کے بائیں پہلو

میں ایک پن چبھی ہوئی نظر آ گئی۔

"بس ثابت ہو گیا۔ زہر اس سوئی کے ذریعے جسم میں داخل کیا گیا ہے۔ اب یا تو ان قیدیوں میں سے کسی نے یہ کام کیا ہے۔ یا باہر سے۔ سوال یہ ہے کہ کوئی شخص دروازے پر آ کر ایسا کر سکتا تھا۔ جب کہ ہال کے چاروں طرف نگران کھڑے تھے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"نگرانوں کو چیک کرنا پڑے گا۔"

ہال کی نگرانی کرنے والے تمام لوگوں کو ایک قطار میں کھڑا کر دیا گیا۔ تینوں نے ان کا جائزہ لیا۔ ان میں سے کسی کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نظر نہ آئے، پھر انھوں نے اندر موجود قیدیوں کو بھی اسی طرح چیک کیا۔ ان میں بھی ایسی کوئی بات نظر نہ آئی۔

"اب کیا کہتے ہو؟" فرزانہ بولی۔

"یہ کہ — کل ہم ہال کی نگرانی خود کریں گے۔ بلکہ ہم میں سے دو ہال کے اندر موجود رہیں گے اور ایک باہر۔"

"یہ پروگرام اچھا رہے گا۔"

ایک سوال یہاں اور پیدا ہوتا ہے۔ جیل میں زہر

کہاں سے آیا؟" محمود بولا۔

"جیل میں زہر۔ بھئی واہ! یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا مطلب — ناول کا نام۔" ڈپٹی صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

"ج — جی ہاں — بس کیا بتائیں — ہمارے ساتھ یہ بڑی مصیبت ہے۔ جب دیکھو، ناولوں کے نام تجویز ہو رہے ہیں۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"کیا آپ کے بھائی مصنف ہیں — ناول نگار ہیں۔"

"اجی نہیں — یہ بے چارے کیا مصنفی کریں گے — انھوں نے تو بس ناولوں کے نام رکھنے کا ٹھیکا لے رکھا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اور تم نے جلنے بھننے کا۔"

"کس کا — جلنے بھننے کا — یہ کیسا ٹھیکا ہوا؟" ڈپٹی صاحب حیران رہ گئے۔

"یہ بالکل ویسا ہی ٹھیکا ہوا — جیسا ناولوں کے نام رکھنے کا۔" فاروق مسکرایا۔

"میرا خیال ہے، ہم ادھر ادھر کی باتوں میں الجھ گئے۔" اکرام نے گھبرا کر کہا۔

"اوہ ہاں! تو ہم کیا کہہ رہے تھے؟" محمود نے چونک کر پوچھا
"یہ کہ جیل میں زہر کس طرح آ سکتا ہے۔" فاروق مسکرایا۔
"اوہ ہاں! اس سوال کا جواب ڈپٹی صاحب دیں گے۔"
"آپ ایک زہر کی بات کرتے ہیں۔ جیل میں تو نہ جانے کیا کیا کچھ آ جاتا ہے۔ چرس، ہیروئن، شراب۔ بس یہ پوچھیں کیا نہیں آتا؟"
"اچھی بات ہے۔ بتائیں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔
"کیا بتاؤں؟" کاشف علی حیران رہ گئے۔
"یہ کہ کیا نہیں آتا جیل میں۔ آپ ہی نے تو کہا ہے یہ پوچھیں، کیا نہیں آتا۔"
"اوہ اوہ۔" کاشف علی منہ بنا کر رہ گئے۔
"لیکن جناب! یہ سب چیزیں آ کس طرح جاتی ہیں، آپ لوگ کیوں جیل میں داخل ہونے دیتے ہیں؟"
"نہ جانے کس کس راستے اور کس کس ذریعے سے آتی ہیں۔ ہم لوگ کچھ بھی اس کا علاج نہیں کر پاتے۔ جیلر صاحب بھی بے بس ہیں۔ قیدی اس قدر اثر اور رسوخ والے ہیں کہ ان کے لیے اوپر سے فون آتے ہیں۔ کہ ان کے فلاں آدمی کو فلاں فلاں چیز مہیا کی جائے۔ یا مہیا کرنے کا موقع دے دیا جائے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ نہ جانے ہمارے ملک کا کیا بنے گا۔" فرزانہ نے کانپ کر کہا۔
عین اس وقت اکرام کے ایک ماتحت کی چیخ سنائی دی، وہ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ ایک کیاری کے پاس کھڑا نیچے پڑی کسی چیز کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ وہ سب اس کی طرف دوڑے۔ اور پھر دھک سے رہ گئے۔ کیاری میں ایک بلو پائپ پڑا تھا۔
"اوہو۔ یہ کیاری تو دروازے کے بالکل سامنے ہے۔ اس کا مطلب ہے۔ قاتل یہاں چھپا بیٹھا تھا۔ جونہی ارسلان خان دروازے کے سامنے آئے۔ اس نے پائپ میں پھونک ماردی۔ اس میں موجود سوئی سیدھی گئی اور ان کے پہلو میں دھنس گئی۔ اور ان کی موت واقع ہو گئی۔"
"لیکن اس طرح تو سوئی کسی اور کے بھی لگ سکتی تھی۔"
"ہو سکتا ہے۔ وہ سوئی پھینکنے کا بہت ماہر ہو۔ افریقہ میں ایسے لوگ اکثر ملتے ہیں۔"
اکرام نے پائپ کو چھونے سے پہلے اس پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھوائے اور پھر اس پائپ میں سوئی رکھ کر محمود نے زور سے پھونک ماری۔ سوئی تیر کی طرح نکلی اور بہت دور جا کر گری۔ فاصلہ ہال سے بھی زیادہ تھا۔

"ثابت ہو گیا - اس پائپ کے ذریعے سوئی ہال سے بھی آگے تک پہنچائی جا سکتی ہے۔"

"دو باتیں اب ہم کہ سکتے ہیں - قاتل ہال کے اندر نہیں تھا - اور نمبر دو، قاتل کو یہ کام کرنے کے لیے جیل کے اس ہال کے سامنے بھی نہیں جانا پڑا - بلکہ اس نے اس کیاری میں چھپ کر یہ کام کیا۔"

"اب ہمارا کام اور مشکل ثابت ہو گیا - لیکن خیر - ہم کل اسے دیکھ لیں گے۔"

"اور سر ایک چیز اور - یہ خون آلودہ رومال قدرے فاصلے پر ملا ہے۔" ایک اور ماتحت نے قریب آ کر کہا۔

"او ہو اچھا۔"

انھوں نے جلدی جلدی رومال کو دیکھا - رومال پر خون کے چند دھبے لگے ہوئے تھے -

"اگر یہ رومال قاتل کا ہے - تو پھر اس کا ہاتھ ضرور زخمی ہو گیا تھا - ہو سکتا ہے - کیاری کا کوئی کانٹا چبھ گیا ہو - اس نے جیب سے رومال نکال کر انگلی صاف کی ہو اور پھر بے خیالی میں رومال گرا دیا ہو - یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رومال کسی غیر متعلق قیدی کا ہو - اب دو باتیں ہیں - اگر تو یہ رومال غیر متعلق قیدی کا ہے - تو پھر وہ فوراً کہ دے گا - کہ ہاں

جناب یہ میرا رومال ہے - اور اگر مجرم کا ہے تو خاموش رہے گا، لیکن اس کی خاموشی ہمارے حق میں بہت بہترین ثابت ہو جائے گی۔" محمود نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"لیکن کیسے - میں سمجھا نہیں۔" کاشف علی صاحب بولے۔

"میں بتاتا ہوں - اس رومال پر خون کے دھبے موجود ہیں، تمام قیدیوں کے خون کا نمونہ لیا جا سکتا ہے اور رومال پر ملنے والے خون کا تجزیہ کر لیا جائے گا - اب جس کا خون رومال والے خون جیسا ہو گا - وہی ہمارا مجرم ہو گا۔"

"اور اگر اس نے پہلے ہی یہ کہ دیا کہ رومال اس کا ہے - اس سے گر گیا تھا۔"

"اس صورت میں ہمیں تجزیہ کرنے کی ضرورت نہیں رہ جائے گی، تاہم اس کی ہم نگرانی ضرور کرائیں گے۔"

"بہت خوب - میرا خیال ہے - یہ تجربہ فوراً کر لیا جائے۔" کاشف علی بولے۔

"جی ہاں بالکل - آپ اعلان کرا دیں - تمام قیدی یہاں جمع ہو جائیں۔"

"اور دوسرے یہ کہ زخمی انگلی بھی تو چیک کی جا سکتی ہے۔" فراز نے کہا۔

"بالکل ٹھیک۔"

آخر تمام قیدیوں کو ایک جگہ جمع کیا گیا۔ کاشف علی نے بلند آواز میں ان سے پوچھا:

"آپ میں سے کسی کا رومال تو نہیں گرا؟"

"رومال۔ رومال" بے شمار آوازیں اُبھریں۔ اور ان کے چہروں پر حیرت دوڑ گئی، کیونکہ یہ بات کم حیرت کی نہیں تھی کہ ان سب کو صرف ایک رومال کے لیے جمع کیا گیا ہے۔

"ہاں! رومال۔ یہ رومال کس کا ہے؟"

ان میں سے کسی نے بھی نہ کہا کہ رومال اس کا ہے۔

اب تو ان پر جوش طاری ہو گیا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ ان میں قاتل موجود تھا۔ اگر یہ کسی سے گر گیا ہوتا تو وہ فوراً کہہ دیتا کہ یہ اس کا ہے۔

یہ کیا ہو رہا ہے

سپرنٹنڈنٹ جیل اپنے کمرے میں داخل ہوئے۔ اور رانا مانگا کو دیکھ کر چونک اُٹھے:

"یہ۔ یہ کون ہے؟"

"جی! رانا مانگا۔"

"اوہو۔ اس کا تو بہت نام سنا ہے۔"

"یس سر۔ بہت ڈینگیں مار رہا تھا ابھی ابھی۔"

"کیا اس کے بارے میں کوئی ہدایت ہے؟"

"جی نہیں! ہدایات تو کوئی نہیں ملیں۔ ویسے آئی جی صاحب کا فون آیا تھا۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"اوہ! اچھا۔" یہ کہہ کر انھوں نے آئی جی صاحب کے نمبر ملائے۔ ان کی آواز سن کر بولے:

"وقار غازی بات کر رہا ہوں جناب۔"

"رانا مانگا آپ کی تحویل میں دیا جا رہا ہے۔"

"جی ہاں! وہ اس وقت میرے دفتر میں موجود ہے۔"

"اس کے بارے میں چند باتیں ہیں۔"

"فرمائیے۔"

آئی جی صاحب کی آواز بہت نیچی ہو گئی۔ وقار غازی غور سے سُنتے رہے، آخر بولے:

"اچھی بات ہے، آپ فکر نہ کریں۔"

ریسیور رکھ کر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور انسپکٹر کو ساتھ لے کر باہر نکل گئے۔

"پتا نہیں، کیا چکر چل رہا ہے۔" ان نگرانوں میں سے ایک نے کہا جو رانا مانگا کے اردگرد کھڑے تھے۔

"اس کا پورا پورا انتظام کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہوں گی اور کیا۔"

"ہوں۔ پھنس گیا بے چارہ۔ لیکن اسے ہوٹل میں ہنگامہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"دماغ چل گیا تھا میرا۔ سنا تم نے۔" رانا مانگا نے چیخ کر کہا۔

"ہاں! سُن لیا۔ کان کے پردے نہ پھاڑو۔ آہستہ بات کرو۔" ایک نگران نے جھلا کر کہا۔

"جیل میں قتل کی واردات۔ عجیب سی بات ہے۔" ایک

نگران بڑبڑایا۔

عین اسی وقت انسپکٹر اندر داخل ہوا۔

"مسٹر رانا مانگا۔ میرے ساتھ چلو۔ تمھاری کوٹھری تمھیں دکھا دوں۔"

"سپرنٹنڈنٹ صاحب سے کیا بات ہوئی؟" رانا مانگا بولا۔

"کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔"

"پھر مجھ سے چکی پسوا رہے ہیں؟"

"ن۔ نہیں۔" انسپکٹر نے بوکھلا کر کہا۔

"اور دوسری باتیں اگلوا رہے ہیں؟"

"وہ بھی نہیں۔ مسٹر رانا مانگا۔ آپ جیل میں خود کو قیدی نہ سمجھیں۔"

"تو پھر کیا سمجھوں؟"

"یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔ جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔ اور جس وقت چاہیں جا سکتے ہیں۔"

"تو کیا جیل سے باہر بھی جا سکتے ہیں؟"

"بس! آپ یہی ایک کام نہیں کر سکتے۔ اور یہاں ہر کام کر لیں۔ ہم کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔"

"ہو گئے نا سیدھے۔ آخر رانا مانگا کے بھی بڑے بڑے لوگوں سے تعلقات ہیں، بڑے بڑے لوگوں پر احسانات

ہیں - ایک بار میں نے جیل خانہ جات کے آئی جی صاحب
کی جان بچائی تھی - اب بے چارے احسان اتارنے کے
چکر میں ہیں - خیر - ان کی یہ مہربانی یاد رہے گی - میری
کوٹھری کے دروازے پر تالا نہیں لگے گا - یہ کوئی چھوٹی
بات تو نہیں ہے۔"

"ہاں! جیل کی دنیا میں یہ واقعی بڑی بات ہے -
غیر قانونی کام تو یہاں نہ جانے کتنے ہوتے ہیں، لیکن کوٹھریوں
کو تالے ہر حال میں لگتے ہیں - ایسا آج تک نہیں ہوا کہ
رات کے وقت کسی قیدی کی کوٹھری پر تالا نہ لگایا جائے۔
ایسا تو ہوا ہے - کہ تھوڑی بہت دیر کے لیے کسی قیدی
کو کوٹھری سے رات کے وقت نکال کر کسی سے ملایا گیا۔
یا اس کے گھر بھیج دیا گیا - لیکن مکمل طور پر تالا نہ لگنے کا
یہ پہلا موقع ہے۔"

"میں جیلوں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔"
رانا مسکرایا۔

وہ چلتے رہے - آخر ایک شان دار کمرے کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے انسپکٹر نے کہا:

"یہ ہے آپ کے آرام کرنے کی جگہ - اب میں چلتا ہوں۔"

"شکریہ انسپکٹر صاحب - آج سے آپ بھی میری لسٹ پر

آ گئے۔" رانا مانگا بولا۔

"لسٹ پر آ گیا - کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ کبھی موقع ملا تو آپ کے ساتھ بھی اچھا
سلوک کروں گا۔"

"شکریہ۔" اس نے کہا اور چلا گیا۔

عین اسی وقت جیل میں ایک آواز گونجی - رانا مانگا کے
کان کھڑے ہو گئے - اس نے پاس سے گزرتے ہوئے نمبردار
سے پوچھا:

"یہ آواز کیسی تھی؟"

"ایک ظالم قیدی نے اودھم مچا رکھا ہے - سب اس
سے ڈرتے ہیں - یہاں تک کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب بھی ڈرتے
ہیں - وہ جس پر چاہتا ہے، ظلم کرنے لگتا ہے - اور جو چاہے،
مطالبات کرتا ہے۔"

"آخر اس سے ڈرنے کی وجہ؟" رانا مانگا نے بھنا کر پوچھا۔

"اس سے ڈرنے کی وجہ - وہ بہت طاقتور ہے - خوفناک
ہے - اس کے ساتھ اس کا پورا گینگ ہے - کوئی سو کے
قریب قیدی اس کے اشارے پر کٹ مرنے کو تیار ہو
جاتے ہیں۔"

"لیکن رات کو جب وہ کوٹھریوں میں بند ہوتے ہیں، اس

وقت تو اس قیدی کو سیدھا کیا ہی جا سکتا ہے۔"

"اس خوف سے ایسا نہیں کیا جاتا کہ صبح اس کے سو ساتھی اودھم مچائیں گے، آج کل کے قیدی بھی بہت زیادہ سرپھرے ہو گئے ہیں۔"

"ہوں — اچھا میں دیکھتا ہوں — شاید مجھے اسی لیے یہاں یہ آزادی دی گئی ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

"آزادی دی گئی ہے — کیا مطلب؟"

"ہاں! تم دیکھ نہیں رہے — میں کوٹھری کے باہر کھڑا ہوں اور تالا لگانے والا یہاں کوئی نہیں — اور مجھے ابھی ابھی یہاں لایا گیا ہے۔"

"ہوں — تم کون ہو — تمہارے بارے میں ہدایات تو ملی نہیں۔"

"مل جائیں گی ہدایات بھی — ابھی تو میں آیا ہوں — تم ذرا مجھے اس قیدی تک لے چلو گے۔"

"آؤ چلو۔" نمبردار نے کہا، پھر رک کر بولا:

"لیکن میں دور سے دکھا کر ایک طرف ہو جاؤں گا۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" رانا نے کہا۔

"لیکن تم کرو گے کیا؟"

"اس کی مرمت کروں گا۔" وہ مسکرایا۔

"تم اور راجی دادا کی مرمت کرو گے۔"

"ہاں! کیوں — کیا نہیں کر سکتا۔"

"اوّل تو راجی دادا ہی تمہیں اٹھا کر پھینک دے گا — اور اگر تم کچھ زیادہ طاقت ور ثابت ہوئے تو پھر اس کے ساتھی تمہیں پیس کر رکھ دیں گے۔"

"اب میں سمجھا۔" رانا مانگا بولا۔

"کیا سمجھ گئے؟"

"یہ کہ مجھے جیل کیوں بھیجا گیا ہے — اور رعایتیں کیوں دی گئی ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ باتیں تمہارے سمجھنے کی نہیں — تم اپنا کام کرو۔"

وہ منہ بنا کر رہ گیا، پھر اس نے ایک جگہ رک کر کہا: "وہ سامنے والا سارا ایریا راجی دادا کا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" یہ کہہ کر رانا آگے بڑھتا چلا گیا۔

نزدیک پہنچ کر اس نے دیکھا کہ ایک درخت سے ایک آدمی کو الٹا لٹکایا ہوا ہے — اس کے کپڑے اتار دیے گئے ہیں اور اس پر دو آدمی باری باری کوڑے برسا رہے تھے — اس کی چیخوں نے جیل کو ہلا کر رکھ دیا تھا، لیکن یوں لگتا تھا جیسے سب لوگ بہرے ہو چکے ہوں — دس بارہ

کے قریب آدمی وہاں کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" رانا مانگا کی آواز گونجی۔

ایک لمحے کے لیے سناٹا سا طاری ہو گیا، پھر سب نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"رانا — مانگا۔" ان میں سے کئی ایک کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! رانا مانگا — کہاں ہے تمہارا استاد — راجی دادا؟"

"وہ اندر آرام کر رہے ہیں۔" ایک نے بڑی کوٹھری کی طرف اشارہ کیا۔

"اس غریب کو کیوں پیٹا جا رہا ہے؟"

"اس نے راجی دادا کا حکم نہیں مانا۔"

"اور وہ حکم کیا تھا؟"

"راجی دادا نے اسے حکم دیا تھا کہ رات کے تین بجے جیل کے انسپکٹر کی ٹنڈ کر دے۔"

"ٹنڈ کر دے — کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ استرے سے اس کے سر کے بال اتار دے۔ یہ بے چارہ نائی ہے۔"

"لیکن یہ بے چارہ انسپکٹر تک کس طرح پہنچ سکتا تھا۔"

"انسپکٹر کو بہانے سے راجی دادا نے بلا لیا تھا اور شربت میں بے ہوشی کی دوا بھی پلا دی تھی — ایک بے ہوش آدمی

کی ٹنڈ بھی یہ آدمی نہ کر سکا — لہٰذا اب اسے اس حکم عدولی کی سزا دی جا رہی ہے۔"

"کیوں بھئی — کیا یہی بات ہے؟"

رانا مانگا الٹے لٹکے ہوئے آدمی کے قریب جا کر بولا۔

"ہاں! لیکن میں قانون کے محافظ کی ٹنڈ نہیں کر سکتا تھا۔ میں ڈر گیا کہ جیل سے باہر انسپکٹر میرے ساتھ نہ جانے کیا سلوک کرے گا۔"

"ہوں ٹھیک ہے — دوستو — اس بے چارے کو کھول دو — تم لوگوں کو چاہیے تھا — اس سے استرا لے کر خود یہ کام کر ڈالتے۔"

"استرا اس کے پاس کہاں سے آیا — وہ تو اسے ہم دے رہے تھے۔"

"خیر یونہی سہی — یہ کام تم نے خود کیوں نہ کر لیا؟"

"ہم نے تو بعد میں کر ہی ڈالا تھا۔"

"لیکن میں نے تو اس کے سر پر بال دیکھے ہیں۔"

"بال — وہ تو وگ لگا رکھی ہے اس نے۔"

"اوہ — اچھا۔" رانا ہنس پڑا — پھر اس نے منہ بنا کر کہا:

"اب جب کہ تم لوگوں کا مقصد پورا ہو چکا ہے — اس بے چارے کو چھوڑ دو۔"

"نہیں ! راجی دادا کا حکم ہے کہ اسے پورے بیس کوڑے لگائے جائیں — وہ بھی ٹھہر ٹھہر کر — ابھی ہم نے صرف پانچ کوڑے لگائے ہیں — پندرہ باقی ہیں۔"

"بُری بات ہے — یہ بہت کمزور ہے — کھول دو اسے — راجی دادا سے میں خود بات کر لوں گا۔"

"کون ہے — جو مجھ سے بات کر سکے۔" ایک آواز گونجی اور پھر بڑے کمرے سے ایک لمبا تڑنگا آدمی باہر نکلا — اس کا چہرہ خوفناک تھا — بڑی بڑی مونچھوں پر باہر کو ابلی ہوئی آنکھوں سے خوف آتا تھا :

"اوہ — رانا مانگا — کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا — جس نے جیل سے باہر کبھی میرے سامنے آنے کی جرأت نہ کی، وہ یہاں کب جرأت کرے گا۔"

"میں سامنے آنے کی جرأت اب بھی نہیں کر رہا راجی دادا۔ میں آپ کو دادا ہی مانتا ہوں، لیکن یہ درخواست کرتا ہوں کہ اس غریب کو چھوڑ دو۔"

"میں جانتا ہوں، تم بہت رحم دل ہو، غریبوں میں دولت تقسیم کرتے رہتے ہو — صرف دولت مندوں کو لوٹتے ہو، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اب تم میرے راستے میں آؤ — جاؤ اپنا کام کرو۔"

"جیل میں اپنا کیا کام کروں — یہی کام ہے میرا۔" رانا مانگا مسکرایا۔

"ہوں — تم لوگ کیوں رک گئے — کوڑے پورے کرو۔" راجی دادا گرجا۔

"ن — نہیں — نہیں۔" وہ چلایا۔

"خاموش — اگر زیادہ شور مچایا تو کوڑوں کی تعداد چالیس ہو جائے گی۔"

اسے تو سانپ سونگھ گیا — ہونٹ مضبوطی سے بھینچ لیے — کوڑے برسانے والے پھر سے پر تولنے لگے — ایک کا ہاتھ اٹھا، کوڑا لہرایا، لیکن کوڑا نائی کے جسم پر نہ لگا، کیونکہ کوڑے کا دوسرا سرا رانا مانگا کے ہاتھ میں آ چکا تھا — اور ایسا پلک جھپکنے میں ہو گیا تھا — دوسرے ہی لمحے اس نے کوڑے کو جھٹکا دیا — تو وہ اس کے ہاتھ میں آ گیا —

"یہ کیا تانو — اس نے کوڑا تم سے چھین لیا — ہاتھوں میں دم نہیں رہ گیا کیا؟"

"بے خبری میں ایسا ہو گیا دادا۔" تانو کانپ اٹھا۔

"کیا کہا — بے خبری میں — اچھا یہ لو — پکڑو۔" رانا مانگا نے کوڑے کا ایک سرا اس کی طرف اچھال دیا۔

اس نے کوڑا پکڑ کر اپنی کلائی پر کس لیا:

"خبردار ہو جاؤ — کوڑا اب تمہارے ہاتھ سے نکلنے لگا ہے۔" رانا مانگا نے مسکرا کر کہا۔

"میں تیار ہوں — کوڑا تمہارے ہاتھ سے نکلے گا۔"

دونوں نے ایک ساتھ جھٹکا مارا — اور کوڑا پھر رانا مانگا کے ہاتھ میں نظر آیا — جب کہ تانو منہ کے بل زمین پر آ گرا تھا۔

"بس رہنے دو تانو — رانا تم سے طاقت ور ہے — کوڑے کا سرا میری طرف پھینکو رانا — یہ مقابلہ میں تم سے کروں گا۔" راجی دادا ہنسا۔

"نہیں دادا — آپ سے نہیں — میں آپ کا احترام کرتا ہوں۔"

"ارے جاؤ — کہاں کرتے ہو احترام — میرے معاملے میں ٹانگ بھی اڑاتے ہو اور احترام بھی کرتے ہو، یہ بھی خوب رہی۔"

"وہ تو میں اس غریب کے لیے کر رہا تھا۔"

"تو پھر کان کھول کر سن لو، میں اسے نہیں کھلواؤں گا، جب تک کہ بیس کوڑے پورے نہیں ہو جاتے۔"

"اور یہ آپ بھی سن لیں دادا — میں چھٹا کوڑا بھی نہیں لگنے دوں گا۔"

"بھئی واہ — اب آئے گا مزا — لاؤ پہلے کوڑے کا مقابلہ

تو ہو جائے۔"

"آپ مجھ سے مقابلہ نہ کریں دادا۔"

"تو پھر کوڑے لگنے کی آواز چپ چاپ سن لو۔"

"افسوس! یہ بھی نہیں ہو سکتا۔"

"اگر نہیں ہو سکتا تو کوڑا پھینکو۔"

ایک منٹ کے لیے رانا مانگا نے سوچا اور پھر کوڑے کا ایک سرا راجی دادا کی طرف اچھال دیا — سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی — اسی وقت ایک آواز گونجی:

"یہ کیا ہو رہا ہے۔"

راجی دادا

سب نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ جیل کا انسپکٹر کھڑا انھیں گھور رہا تھا۔

"اوہ انسپکٹر صاحب۔ آئیے آئیے۔ آپ بھی یہ تماشا دیکھیں۔"

"یہ ہو کیا رہا ہے۔ اس شخص کو الٹا کیوں لٹکایا گیا ہے؟"

اسے بھی وجہ بتائی گئی۔

"اوہ۔ میں کہتا ہوں۔ کھول دو اسے۔" انسپکٹر گرجا۔

"میں بھی ان سے یہی کہہ رہا تھا۔ لیکن یہ کسی طرح ماننے پر تیار ہی نہیں۔ اب میں نے ان سے اس بارے میں فیصلہ کرنے کی ٹھانی ہے۔" رانا بولا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر نے حیران ہو کر کہا۔

"میں راجی دادا سے مقابلہ کروں گا۔ اگر میں مقابلہ جیت گیا تو یہ اسے کھول دیں گے۔"

"اوہو اچھا۔ کمال ہے۔"

"اور مقابلہ صرف اتنا سا ہے کہ کوڑا کس کے ہاتھ میں آتا ہے۔" راجی دادا نے کوڑے کو اپنی کلائی پر لپیٹتے ہوئے کہا۔ رانا تو پہلے ہی لپیٹے کھڑا تھا۔

"ہاں تو مقابلہ شروع کیا جائے۔" راجی دادا نے کہا۔

"ضرور۔ کیوں نہیں۔"

اس کے الفاظ ختم ہوتے ہی راجی دادا نے ایک جھٹکا مارا۔ رانا تانگا ہوا میں اڑتا ہوا اس کی طرف آیا۔ اور اس کے بالکل قریب گرا، لیکن کوڑا اب بھی اس کی کلائی پر لپٹا ہوا تھا۔

"اب میری باری ہے۔" رانا اٹھتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ چہرے پر حیرت کے آثار نظر آ رہے تھے۔

مناسب فاصلے پر جا کر رانا نے بھی کوڑے کو جھٹکا مارا، راجی دادا زور سے اچھلا اور کوڑا رانا کے ہاتھ میں نظر آیا۔

سب لوگ دھک سے رہ گئے۔ راجی دادا نے تھکے تھکے انداز میں کہا:

"کھول دو اس نائی کے بچے کو۔"

"شکریہ دادا۔"

"بس چلے جاؤ یہاں سے چپ چاپ۔" راجی دادا غرایا۔

رانا مانگا جانے کے لیے مڑ گیا - انسپکٹر نے بھی اس کے
ساتھ قدم اٹھا دیے - کچھ دور جا کر انھوں نے مڑ کر دیکھا -
نائی کو کھول دیا گیا تھا - اور وہ اپنی کوٹھری کی طرف لنگڑاتا
جا رہا تھا -

"کمال ہو گیا - بھئی - تم میں اتنی طاقت ہے - میں تو
سوچ بھی نہیں سکتا تھا" انسپکٹر بولا -

"تو اب سوچ لیں" رانا بولا -

"کیا سوچ لوں" اس نے گھبرا کر کہا -

"یہ کہ مجھ میں کتنی طاقت ہے"

"مذاق کر رہے ہو بھئی - ویسے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے -
راجی دادا کو ہارتے دیکھ کر"

"سنا ہے ، اس نے آپ سے بہت زیادتی کی ہے"

"کوئی ایسی ویسی"

"لیکن آپ نے قانون کا سہارا کیوں نہیں لیا؟"

"اس کا کچھ نہ بگڑتا - اور میری بدنامی ہوتی - اس لیے
میں بات کو پی گیا"

"کیوں - اس کا کچھ کیوں نہ بگڑتا؟"

"اس لیے کہ اس کے تعلقات بہت بڑے بڑے لوگوں
سے ہیں"

"تو پھر وہ بہت بڑے بڑے لوگ اسے جیل سے کیوں
نہیں نکلوا لیتے"

"پہلے تو ایسا ہوتا رہا ہے - ادھر یہ جیل میں آتا ہے -
ادھر اس کی ضمانت ہو جاتی ہے - لیکن اس مرتبہ ایسا نہیں
ہو سکا"

"اچھا - کمال ہے - یہ جیل میں کب آیا ہے؟"

"ایک ہفتہ پہلے"

"ہوں - اچھا - میں آپ کا انتقام بھی اس سے لوں
گا" رانا مانگا بولا -

"تم میرا انتقام لو گے" وہ حیران رہ گیا -

"ہاں ! قانون کے ایک محافظ سے کوئی جرائم پیشہ آدمی زیادتی
کرے - یہ مجھے پسند نہیں"

"بہت خوب - اگر تم نے اس سے میری بے عزتی کا بدلہ
لیا تو میں - تو میں" انسپکٹر کہتے کہتے رک گیا -

"ہاں تو میں کیا؟"

"کک - کچھ نہیں - بہرحال میں تمہارے کام آنے کی
کوشش کروں گا"

"جیل میں اس وقت راجی دادا کے کتنے آدمی ہیں؟"

"ساٹھ کے قریب تو ہوں گے ہی"

"ہوں — جیل میں قتل کی جو واردات ہوئی — میرا مطلب ہے، ارسلان خان کا قتل — اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں، جس کمرے میں الف سے شروع ہونے والے ناموں کے قیدیوں کو رکھا گیا — اس کمرے میں کیا راجی دادا کا کوئی آدمی تھا؟"

"کیا مطلب؟" وہ زور سے چونکا۔

"راجی دادا کے ساتھیوں میں سے کسی کا نام الف سے شروع ہوتا ہے؟"

"میں — میں نے اس پر غور نہیں کیا۔"

"اس پر غور کرنا کیا مشکل ہے — راجی دادا کے ساتھیوں کو ایک کاغذ پر لکھ لیں — اور دیکھیں — ان میں کوئی ایسا ہے جس کا نام الف سے شروع ہوتا ہے۔"

"اوہ! تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہ کہ — راجی دادا کا ہاتھ اس واردات میں ہے — اس کا آدمی بھی اس کمرے میں موجود تھا — پھر بھلا اس کے لیے کیا مشکل تھا کہ ارسلان خان کے جسم میں زہریلی سوئی داخل کر دیتا۔"

"ہوں، لیکن راجی دادا کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"اس کے تعلقات بڑے بڑے لوگوں سے ہیں، ان

بڑے بڑے لوگوں میں بڑے بڑے سیاست دان بھی ہوں گے، لہذا ان میں سے کسی کے اشارے پر کیا ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"اوہ! بالکل ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر اچھل پڑا۔

"اور اس طرح آپ کی بے عزتی کا بدلہ بھی لے لیا جائے گا۔"

"بالکل ٹھیک۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"تو پھر جلدی سے وہ فہرست تیار کریں۔"

"میں ابھی آدھ گھنٹے میں فہرست بنا کر لاتا ہوں۔"

"بہت خوب!"

انسپکٹر جانے کے لیے مڑ گیا، لیکن پھر ٹھٹک کر رک گیا:

"لیکن بھئی — یہ تم جاسوس کب سے بن گئے؟"

"میں اور جاسوس — کیا بات کرتے ہیں — جلدی کریں۔"

انسپکٹر لمبے لمبے قدم اٹھاتا چلا گیا — جلد ہی وہ اس کی کوٹھری میں داخل ہوا — اس کے ہاتھ میں ایک لمبا سا کاغذ تھا — اس پر ساٹھ کے قریب نام لکھے ہوئے تھے —

"ان میں سے یہ شخص اس کمرے میں موجود تھا۔" انسپکٹر نے نشان لگا کر بتایا۔

"ارشاد ڈوئی — بس آپ اسے یہیں لے آئیں۔"

"یہیں لے آؤں۔ راجی دادا کو پتا چل گیا تو۔ بلکہ پتا اسے ضرور چلے گا۔"

"چلنے دیں۔ پروا نہ کریں۔ جلدی سے ارشاد ڈوئی کو لے آئیں۔"

وہ گیا اور لمبے قد کے ایک دبلے پتلے آدمی کو لے کر آ گیا۔ اس کے چہرے پر اُلجھن کے آثار تھے:

"تمہارا نام ارشاد ڈوئی ہے؟"

"ہاں۔ کیوں، کیا تکلیف ہے؟" اس نے اکھڑ لہجے میں کہا، ساتھ ہی اس کے گال پر ایک بھرپور تھپڑ لگا۔ اس کا منہ گھوم گیا اور پانچوں انگلیاں بالکل صاف نظر آنے لگیں۔

"یہ۔ یہ۔ یہ کیا۔ تم نے مجھے تھپڑ مارا۔ راجی دادا کے آدمی کو۔ میں۔ تمہیں دیکھ لوں گا۔"

"تو کیا اس وقت آنکھیں بند کر رکھی ہیں؟" رانا مانگا نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ بات یاد رکھنا۔ اب کسی دن تمہاری لاش ہی جیل میں پڑی ملے گی۔"

"تو ارسلان خان کے جسم میں زہریلی سوئی تم نے داخل کی تھی؟"

"کیا مطلب؟" وہ بُری طرح اُچھلا، آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔

"مطلب تم بہت اچھی طرح سمجھتے ہو۔ راجی دادا نے وہ سوئی تمہیں دی تھی اور ہدایت کی تھی کہ چونکہ تمہارا نام الف سے شروع ہوتا ہے۔ لہذا تمہیں بھی اس کمرے میں رکھا جائے گا، اس لیے سوئی جسم میں داخل کرنے والا کام تم کرو گے۔"

"پتا نہیں۔ کیا کہ رہے ہو تم۔"

"اچھی بات ہے۔ صبح دوسری واردات کا پروگرام ہے، اس بات کا فیصلہ اب صبح ہو گا۔"

"کیا مطلب؟"

"تم زبان کھولنے پر تیار نہیں۔ لیکن کل تم زبان کھول دو گے۔ انسپکٹر صاحب۔ کیا آپ اسے راجی دادا تک جانے سے روک سکتے ہیں۔ کل صبح تک۔"

"ن۔ نہیں۔ یہ کسی نہ کسی طرح اس تک پہنچ جائے گا۔" انسپکٹر نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ یہ اب میرے ساتھ رہے گا۔ آپ جا سکتے ہیں۔"

"ن۔ نہیں۔ میں یہاں نہیں رہوں گا۔ میں اپنی کوٹھری میں جاؤں گا۔ اگر مجھے یہاں رکھنے کی کوشش کی گئی تو میں شور مچا کر لوگوں کو اس طرف متوجہ کر لوں گا۔"

"ہوں! اچھا یہ بات ہے — تو پھر یہ لو۔" رانا مانگا نے
اور اس کی کن پٹی پر اچانک ایک ہاتھ رسید کر دیا، وہ
کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

"یہ کیا کیا؟" انسپکٹر گھبرا گیا۔

"اب یہ صبح سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔"

"اور اگر اس کے ساتھی اس کے لیے شور مچانے لگ

"دیکھا جائے گا — آپ کسی کو نہ بتائیں کہ یہ کہاں ہے

"اچھا!" انسپکٹر نے کہا اور چلا گیا۔

دوسرے دن صبح سویرے ہی ب سے شروع ہو
والے نام کے لوگوں کو الگ کر دیا گیا — اور انھیں اس ک
کی طرف لے جایا جانے لگا — ایسے میں رانا مانگا بھی
کے پیچھے چلا۔

"اے — تم کہاں جا رہے ہو؟" ایک نمبردار گرجا۔

"میرا نام بھی ب سے شروع ہوتا ہے۔"

"تمھارا نام رانا مانگا نہیں ہے کیا؟"

"یہ نام تو فرضی ہے — اصل نام ب سے — اس لیے
میں بھی جاؤں گا۔"

"جانے دو بھئی۔" انسپکٹر نے نمبردار کو روک دیا — اس سلام
انچارج تو انسپکٹر ہی تھا — نمبردار رک گیا۔

ان سب کو اس کمرے میں بند کر دیا گیا جس میں کل قتل
کی واردات ہوئی تھی — رانا مانگا بھی اس میں شامل تھا —
اس کی نظر صرف ایک آدمی کی حرکات و سکنات پر تھیں —
اور وہ تھا راجی دادا کا آدمی، بہادر برٹاس — وہ بہت بے چین
نظر آ رہا تھا — پریشان تو اس وقت سبھی تھے، کیونکہ ان
کی جان پر بنی تھی — اور پھر اچانک رانا مانگا حرکت میں
آیا — وہ تیزی سے آگے بڑھا — اس نے بہادر برٹاس کا
دایاں ہاتھ پکڑ لیا اور بولا:

"آج میں یہ واردات نہیں ہونے دوں گا — تم مسٹر بابر
علی خان کو موت کے گھاٹ نہیں اتار سکتے۔"

"کک — کک — کیا مطلب؟" بہادر برٹاس نے گھبرا
کر کہا۔

اس وقت تک رانا مانگا نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی
قابو میں کر لیا تھا — دوسرے قیدی ان کی طرف متوجہ ہو
گئے — باہر کھڑے نگران چونک اٹھے:

"کیا بات ہے — کیا معاملہ ہے؟"

"یہ حضرت بابر علی خان کے جسم میں یہ سوئی اتارنے
جا رہے تھے — اور الزام مجھ پر لگا رہے ہیں۔" بہادر برٹاس
نے فوراً کہا۔

"بہت خوب! اسے کہتے ہیں، الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ سوئی خود ان کے جسم میں داخل کرنے والے تھے، میں اگر پکڑ دیتا تو ان کا کام بھی ہو گیا تھا۔"

"کیا ہوا بھئی؟" باہر سے انسپکٹر کی آواز سنائی دی۔

"جلدی اندر آ جائیں۔ اور محکمہ سُراغ رسانی سے فنگر پرنٹ والوں کو بلا لیں۔"

"پہلے اندر آ کر دیکھ تو لوں۔"

انسپکٹر نے اندر آ کر معائنہ کیا، پھر بہادر برٹاس سے بولا:

"تو تم یہ کہتے ہو کہ سوئی رانا مانگا جسم میں داخل کرنے والا تھا؟"

"ہاں!" اس نے کہا۔

"اور اس کا بیان یہ ہے کہ یہ کام تم کرنے والے تھے۔"

"ہاں بالکل!"

"اچھی بات ہے۔ ابھی ثابت ہو جاتا ہے۔"

فنگر پرنٹ کے عملے کو بلوایا گیا۔ انھوں نے فرش پر گرے ہوئے بلو پائپ پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھائے، پھر رانا مانگا اور بہادر برٹاس کی اُنگلیوں کے نشانات اٹھائے گئے۔ اب ان نشانات کو پائپ پر پائے جانے والے نشانات سے ملا کر دیکھا۔

"بہت خوب! پائپ پر نشانات بہادر برٹاس کے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ سارا کام جیل میں راجی دادا کر رہا ہے۔" انسپکٹر نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں! یہ بات بعد میں سامنے آئے گی کہ اس سے کون کرا رہا ہے۔" رانا مانگا بولا۔

اسی وقت یہ معاملہ سپرنٹنڈنٹ جیل صاحب کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہاں ڈپٹی کاشف علی صاحب بھی موجود تھے۔ راجی دادا اکڑے ہوئے انداز میں اندر داخل ہوا۔

"کیا ہے جناب۔ مجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟"

"تم پر قتل کا الزام ہے۔ پہلے رانا مانگا کا بیان سُن لو۔" جیلر صاحب بولے۔

وہ رانا کی طرف مڑا اور نفرت زدہ انداز میں بولا:

"یہ ہے کون۔ میں اس کی بات کیوں سُنوں۔ یہ صرف ایک قیدی ہے۔"

"یہ قیدی نہیں ہیں۔ یہ انسپکٹر جمشید ہیں۔" وقار غازی صاحب نے کہا۔

"کیا!!!" بہت سی تیز آوازیں ابھریں۔

"ہاں۔ یہ انسپکٹر جمشید ہیں۔ ہماری درخواست پر انھیں بھیجا گیا تھا۔ یہ انھی کا کمال ہے۔ کہ فوراً ہی مجرم تک پہنچ گئے۔"

"صرف جیل کی حد تک۔ ورنہ اصل مجرم کوئی اور ہے
اور وہ میں راجی دادا سے معلوم کروں گا۔ میرے ماتحت سب
اکرام آچکے ہوں گے۔"

"میں ابھی پتا کراتا ہوں۔"

جونہی اکرام اندر داخل ہوا، زور سے اچھلا۔ اس کے
چہرے پر حیرت اور خوف کے آثار نمودار ہو گئے۔

گرفتار

"خیر تو ہے اکرام... تم کیوں چونکے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہائیں! یہ آپ ہیں سر... میں تو آپ ہی کو دیکھ کر چونکا
تھا... رانا مانگا اس وقت آپ کے دفتر میں آپ کا انتظار
کر رہا ہے۔"

"کیا مطلب... اسے دفتر آنے کی کیا ضرورت تھی؟" انسپکٹر
جمشید نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا سر... صرف آپ سے بات
کرنا چاہتا ہے۔"

"اچھی بات ہے... پہلے ہم یہاں کا معاملہ دیکھ لیں۔"
یہ کہ کر انسپکٹر جمشید نے اسے مختصر طور پر حالات سنائے،
ہدایات دیں اور پھر چلنے کے لیے تیار ہو گئے...

"ارے ہاں!... محمود، فاروق اور فرزانہ بھی تو جیل میں
تھے۔" انھوں نے کہا۔

"وہ شام کے وقت واپس چلے گئے تھے... کیوں کہ مو... آ پڑا تھا... خون کے نمونے لینے کا... اور انگلیوں کے نشانات... اور اس وقت آپ کے ماتحت فارغ نہیں تھے، لہذا وہ یہ کہہ کر چلے گئے تھے کہ ہم صبح آئیں گے۔"

"اور ہم آ چکے ہیں۔" انھوں نے تینوں کی آواز سنی۔

"ہائیں!" ان کے منہ سے نکلا... پھر بولے:

"تم نے کل کیا کچھ معلوم کیا... یہ بتاؤ۔"

"ہم رات آپ کا انتظار کرتے کرتے سو گئے تھے... آپ کے پروگرام کا تو ہمیں علم ہی نہیں تھا... کل کی واردات میں خاص بات یہ تھی کہ اس کیاری میں سے ایک بلو پائپ اور ایک خون آلود رومال ملا تھا۔"

"اور اس خون کو چیک کیا جا چکا ہے سر...!" اکرام نے بتایا۔

"بہت خوب! کیا نتیجہ سامنے آیا۔"

"یہ کہ خون کسی قیدی کا نہیں ہے۔"

"کیا مطلب... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"رومال بھی کسی قیدی نے نہیں پہچانا تھا۔" اکرام نے کہا۔

"تو پھر... آخر رومال کس کا تھا۔"

"جس کا رومال ہے... خون بھی اسی کا ہے... ضرور کوئی کانٹا ہی چبھا ہو گا... اس نے رومال سے اپنی انگلی کو صاف کیا... رومال وہیں گر گیا... اور اس جگہ سے ہٹ گیا... اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بلو پائپ اس نے خود گرایا یا اس سے گر گیا۔"

"ہوں... لیکن بھئی قاتل تو اس کمرے میں موجود تھا... پھر باہر کسی بلو پائپ کی موجودگی کا کیا مطلب ہے...؟"

"کمرے کے فرش پر سے کوئی بلو پائپ نہیں ملا... جس کا مطلب یہ ہے کہ قاتل نے سوئی پائپ میں نہیں رکھی تھی، بلکہ اپنے ہاتھ سے مقتول کے جسم میں داخل کی۔"

"اس کا مطلب صرف اور صرف ایک ہو سکتا ہے۔" ایسے میں فرزانہ نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ یہاں دوسرا شخص احتیاط کے طور پر موجود تھا کہ اگر اندر موجود شخص اپنا کام نہ کر سکے... یا کسی طرح ناکام ہو جائے... تو باہر والا آدمی وار کر سکے۔"

"بات معقول ہے... اس کے سوا اور کوئی نتیجہ نکلتا بھی نہیں... لیکن اس صورت میں کیاری میں ملنے والے بلو پائپ

میں زہریلی سوئی موجود ہونی چاہیے۔"

"اوہ ہاں... واقعی۔" اکرام چونکا۔

بلو پائپ وہیں منگوا لیا گیا... لکڑی کا ٹکڑا سامنے رکھ کر اس میں پھونک ماری گئی... تو ایک سوئی تختے پر جا لگی... اسے لیبارٹری بھیج دیا گیا...

"یہ پائپ اس شخص سے گھبراہٹ کے عالم میں گرا ہو گا... وہ جان بوجھ کر اس کو نہیں گرا سکتا تھا..." انسپکٹر جمشید نے پُرخیالی انداز میں کہا۔

"جی ہاں! دراصل وہ اپنی انگلی کے چکر میں پڑ گیا تھا۔" محمود بولا۔

"وہ کیا چکر میں پڑ گیا تھا... چکر میں تو ہم پڑ گئے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اور اب ہم راجی دادا کو کمرۂ امتحان تک لے جا رہے ہیں..." انسپکٹر جمشید نے وقار غازی کی طرف دیکھا۔

"ضرور لے جائیں... لیکن آپ کو لکھ کر دینا ہو گا۔" وقار غازی بولے۔

"اچھی بات ہے۔"

کارروائی مکمل کر کے وہ اپنے دفتر پہنچے... راجی دادا کمرۂ امتحان میں موجود تھا:

"یہ خیال ہے انسپکٹر جمشید... مجھ سے کچھ اگلوانے کے پروگرام پر عمل کر سکیں گے۔"

"اُمید تو یہی ہے۔"

"وہ دیکھیے... کون آ رہا ہے۔" اس نے کہا۔

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی تھی؛

"کون آ رہا ہے۔"

"میرے بارے میں ہدایات لانے والا۔"

"بہت دیکھے ہیں۔" انھوں نے منہ بنایا۔

"مجھ سا نہیں دیکھا ہو گا۔" راجی دادا ہنسا۔

"اب دیکھ تو رہا ہوں۔"

"ابھی کیا دیکھا ہے... ابھی تو ابتدا ہوئی ہے دیکھنے کی۔" وہ بولا۔

اسی وقت دو پولیس آفیسر اندر داخل ہوئے؛

"سر!... ان کے وکیل ہائی کورٹ کا یہ آرڈر لائے ہیں۔"

"اوہو اچھا..." انسپکٹر جمشید نے طنزیہ انداز میں کہا، اور آرڈر لے کر پڑھا... اس میں لکھا تھا:

"راجی دادا دل کے مریض ہیں... ذرا سا بھی تشدد برداشت نہیں کر سکیں گے، اور اُن کی موت واقع ہو سکتی ہے... لہذا اُن کے ساتھ جو سلوک بھی

کیا جائے... ان کے وکیل کی موجودگی میں کیا جائے۔
عدالتِ عالیہ"

"میں یہ آرڈر ہی نہیں مانتا... ان کے وکیل سے کہ دو کہ وہ اس آرڈر کی حکم عدولی کی بنیاد پر مجھے عدالت میں بلوائیں" انسپکٹر جمشید نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"او کے سر!" دونوں پولیس آفیسر باہر نکل گئے... جلد ہی ایک لمبے قد کا وکیل اندر داخل ہوا:

"میں بلا اجازت یہاں آنے کی معافی چاہتا ہوں انسپکٹر صاحب... آپ نے کیا یہی فرمایا ہے کہ عدالت کے اس حکم کو نہیں مانتے"

"ہاں! نہیں مانتا... جائیے اور مجھے عدالت میں طلب کیجیے میں عدالت میں وجہ بتاؤں گا"

"آپ کو شاید معلوم نہیں... آپ کو ابھی اور اسی وقت عدالت کے سامنے پیش ہونا پڑے گا"

"کیوں! یہ کون سا وقت ہے... اب تو عدالتیں برخاست ہو چکی ہیں"

"جی نہیں... یہ آرڈر سپیشل عدالت کا ہے... اور اس عدالت نے ایک اور آرڈر بھی جاری کیا تھا"

"اور وہ ایک اور آرڈر کیا ہے" انھوں نے منہ بنایا۔

"یہ بھی خود پڑھ لیں" وکیل نے ایک اور کاغذ ان کی طرف بڑھا دیا... انھوں نے پڑھا... لکھا تھا:

"اگر انسپکٹر جمشید عدالت کا یہ آرڈر ماننے سے انکار کریں تو وہ فوری طور پر... یعنی اسی لمحے عدالت کے روبرو پیش ہونے کے پابند ہوں گے..."

"بہت خوب... معلوم ہوتا ہے... آپ پورا انتظام کر کے آئے ہیں" وہ مسکرائے۔

"جی ہاں! میں جانتا تھا... کس کے پاس آرڈر لے کر جا رہا ہوں"

"شکریہ... چلیے... میں عدالت میں چلنے کے لیے تیار ہوں" انھوں نے کہا۔

وہ وکیل کے ساتھ ہی عدالت میں پہنچے... انسپکٹر جمشید کی حیرت اس بات پر تھی کہ ہائی کورٹ کا کوئی جج وقت گزر جانے کے بعد عدالت میں کیوں بیٹھے ہیں... آخر وہ عدالت کے کمرے میں داخل ہوئے... جج صاحب بیٹھے قانون کی کسی موٹی کتاب میں کھوئے ہوئے تھے:

"جنابِ والا... ملزم حاضر ہے... انھوں نے عدالتِ عالیہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا ہے... لہٰذا عدالت کی ہدایت

کے مطابق انھیں عدالت کے روبرو پیش ہونے کا حکم دیا گیا تھا... جس کے بعد یہ یہاں آ گئے ہیں۔"

"حیرت ہے... ایک حکم مانا اور دوسرا نہیں مانا۔" جج صاحب بولے۔

"اس کی وجہ یہ ہے جناب والا... کیا مجھے عرض کرنے کی اجازت ہے۔"

"ہاں! ضرور..." جج صاحب بولے۔

"پہلی بات تو یہ ہے سر... آخر آپ سے دوسرا آرڈر کیوں لکھوایا گیا... ان لوگوں کو یہ خیال کیوں تھا کہ میں عدالت کا حکم نہیں مانوں گا۔"

"ان کا بیان تھا... آپ بہت اثر و رسوخ والے ہیں آپ کے تعلقات صدر مملکت تک ہیں۔"

"تب پھر میں دوسرا حکم پڑھ کر بھی کیوں آتا۔" انھوں نے کہا۔

"ہاں! اس پر تو عدالت کو بھی حیرت ہے... اور عدالت وجہ جاننا چاہتی ہے۔"

"جی بہتر... پہلا آرڈر یہ ہے کہ ملزم راجی دادا چونکہ دل کا مریض ہے... لہٰذا اس پر ذرا بھی تشدد نہ کیا جائے ورنہ اس کی موت واقع ہو سکتی ہے۔"

"ہاں! یہ بات ٹھیک ہے... عدالت نے ہی یہ آرڈر جاری کیے تھے... آپ نے کیوں نہ مانے۔"

"وجہ بیان کرنے لگا ہوں جناب والا... پہلی بات تو یہ کہ تشدد کرنے کی اجازت تو قانون میں سرے سے ہے ہی نہیں... لہٰذا اس سے روکا کس بنیاد پر جا سکے گا۔"

"اوہ!" جج دھک سے رہ گیا۔

"دوسری بات... میں ملزم اور ڈاکٹروں کی ایک پوری ٹیم کو عدالت میں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" وکیل نے چونک کر کہا۔

"میں ملزم کو اپنے دفتر میں ہی چھوڑ آیا... بلکہ میرے ماتحت اسے ساتھ لائے ہیں اور ڈاکٹروں کی ٹیم کو بھی، اجازت دیجیے جناب والا۔"

"اجازت ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے اشارہ کیا... اکرام راجی دادا کو لیے اندر داخل ہوا... اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں... اس کے پیچھے دس ڈاکٹر بھی اندر آئے:

"ڈاکٹر صاحبان... میں نے آپ کو کس لیے بلایا ہے... آپ جانتے ہیں۔"

"جی نہیں... سرکاری آرڈر ملا تھا کہ قانون کی مدد کرنے

کے لیے ہماری ضرورت ہے... لہٰذا ہم اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔"

"ہوں... شکریہ... اس شخص کا معائنہ آپ سب مل کر کریں اور ہر ممکن حد تک اس میں کسی معمولی سے معمولی بیماری تک کا پتا چلائیں۔"

"یہ ہمارے لیے کیا مشکل ہے... ہم تمام ڈاکٹری آلات آپ کی ہدایت کے مطابق ساتھ لائے ہیں... اگر عدالت کی اجازت ہو تو یہیں معائنہ کر لیا جائے۔"

"بالکل یہی کرنا ہوگا،" جج نے کہا۔

ڈاکٹروں کی ٹیم نے اپنا کام شروع کر دیا...

"ٹھیک بات اور... میں چاہتا ہوں... آپ میں سے ہر ایک اپنی الگ الگ رپورٹ لکھیں... ہمیں مشترکہ رپورٹ نہیں چاہیے... بلکہ دس رپورٹیں چاہییں۔"

"او کے سر،" ڈاکٹر بولے۔

جج حیرت بھری نظروں سے ان کی کارروائی دیکھنے لگا۔ دوسری طرف راجی دادا اور وکیل کی حالت بہت ردی تھی۔ آخر ڈاکٹر صاحبان نے اپنا کام مکمل کر لیا اور دس رپورٹیں عدالت کے سامنے پیش کر دیں... عدالت نے ان رپورٹوں کو پڑھا اور پھر کہا:

"ان تمام رپورٹوں میں تو یہ لکھا ہے کہ ملزم بالکل ٹھیک ہے... اسے کسی قسم کی کوئی معمولی سی بیماری بھی نہیں ہے۔"

"یہ ڈاکٹرز سرکاری ہیں جناب والا... انسپکٹر جمشید کے پڑھائے ہوئے۔"

"یہ سراسر الزام ہے سر... جب یہ میرے پاس آئے... تو میرے دفتر میں ایک ڈاکٹر بھی نہیں تھے... میں نے تو ان کے ساتھ عدالت کا رخ کرتے ہوئے اپنے ماتحت سے صرف اتنا کہا تھا کہ ہسپتال کے دس ماہر ترین ڈاکٹرز کو عدالت میں لے کر پہنچ جائیں... آپ ڈاکٹرز صاحبان کا بیان اس سلسلے میں لے سکتے ہیں۔"

عدالت نے ڈاکٹرز سے سوالات کیے... انھوں نے یہی بتایا کہ انسپکٹر جمشید کا بیان بالکل درست ہے...

"ہوں! وہ سرٹیفکیٹ کس ڈاکٹر نے جاری کیا تھا... دل کے مرض والا۔" جج صاحب نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"جج... جی... ڈاکٹر بخاری نے۔"

"کیا کہا... ڈاکٹر بخاری نے..." وہ ڈاکٹر چونک کر بولے۔

"کیوں! کیا بات ہے... آپ کیوں چونکے؟"

"اس کی شہرت بہت خراب ہے سر۔"

"ہوں... اسے عدالت میں حاضر ہونے کا نوٹس جاری

کر دیا جائے... تاکہ اسے اس کے جرم کی سزا دی جا سکے۔
ریڈر نے یہ ہدایت نوٹ کر لی... اب وہ واپس لوٹے...
اور پھر کمرۂ امتحان میں آئے... راجی دادا کا منہ غصے سے
سرخ تھا:

"اب کیا خیال ہے۔"

"تم اب بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"مجھے کچھ بگاڑنے کی ضرورت تو اس وقت ہو نا... جب
آپ کا کچھ بگڑا ہوا نہ ہو... آپ کا تو سب کچھ بگڑ چکا
ہے جناب... آپ بری طرح قانون کے شکنجے میں آ چکے
ہیں۔" انھوں نے کہا۔

"یہی تمھاری غلط فہمی ہے انسپکٹر... بہت جلد میری رہائی
کا حکم نامہ آتا ہی ہو گا۔" اس نے چہک کر کہا۔

"خوش فہمی میں مبتلا ہو... میں کوئی حکم نامہ نہیں مانوں
گا... تم نے دیکھا نہیں... میں نے عدالتِ عالیہ کا حکم
نہیں مانا... اور عدالت کو بھی مطمئن کر آیا ہوں۔"

"بہر حال... جو بھی کرنا... سوچ سمجھ کر کرنا... کیونکہ ایک
ایک زیادتی کا بدلہ لیا جائے گا۔"

"اچھی بات ہے... تمھاری اس بات پر عمل کروں گا...
اب یہ بتاؤ... وہ کون ہے... جو جیل میں پندرہ آدمیوں

کو قتل کرا دینا چاہتا ہے..."

"اس کا نام 'موت' ہے۔" اس نے کہا۔

"میں اس کا اصل نام پوچھ رہا ہوں۔"

"ہم اسے اسی نام سے جانتے ہیں۔"

"تم ایسے نہیں مانو گے... چلو بھئی کس دو اسے شکنجے میں۔"

"اور ابھی عدالت میں کیا بات ہو رہی تھی... یہ کہ تشدد
کرنے کا قانون ہی نہیں ہے۔"

"بالکل ٹھیک... اس شکنجے میں آدمی پر تشدد نہیں ہوتا،
آدمی کو صرف سچ بولنے پر مجبور کرایا جاتا ہے... ابھی تم بھی
فر فر بولنے لگو گے۔"

"میں کہہ چکا ہوں... باس کو ہم سب صرف اور صرف
'موت' کے نام سے جانتے ہیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

اس وقت تک اکرام کے ماتحت اسے شکنجے میں کس چکے
تھے... اچانک اس میں بہت بڑی پاور کے بلب جلنے
بجھنے لگے....

"یہ... یہ کیا۔"

"تمھارے جسم کا ایک ایک رونگٹا سچ بولنے پر مجبور ہو جائے
گا... یہ وہ چیز ہے۔"

"نا ممکن ہے۔" اس نے تھرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟... کیا ناممکن ہے۔"

"یہ کہ تم مجھ سے یہ معلوم کر سکو... اس لیے کہ میں جانتا ہی نہیں... باس کون ہے۔"

"صرف ایک منٹ انتظار کرو۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔ ایک منٹ بعد... وہ فر فر بولنے لگا... اس نے بتایا:

"یہ سچ ہے... ہم میں سے کوئی ایک فرد بھی باس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا... وہ خود کو موت کہتا ہے... ہم اسے موت کہتے ہیں... وہ ہے بھی دوسروں کے لیے موت... صرف موت کا راج ہے... اس کے آس پاس... کچھ پتا نہیں چلتا... کب کس کی موت کا حکم صادر کر دے... مجھے جیل میں ہی اس کا حکم ملا تھا کہ جیل میں فلاں فلاں آدمی کو قتل کر دو... اور قتل بھی اس طرح کرو کہ اب پ کے حساب سے... یعنی پہلے الف سے شروع ہونے والے نام کو... پھر ب سے شروع ہونے والے نام کو... اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ جیل میں اس وقت اتفاق سے پندرہ آدمی ایسے موجود ہیں... جو اس ترتیب کے تحت آجائیں گے اور ان کو ہی ہلاک بھی کرنا ہے... بس مجھے ان کے نام اس کی طرف سے مل گئے تھے... جیل میں بھی میں اسی لیے ٹکا ہوا تھا... ورنہ جیل کی سلاخیں مجھے اپنے اندر نہیں رکھ سکتیں... لیکن اس بار تو چونکہ کام ہی جیل میں کرنا تھا... اس لیے مجھے یہاں رکنا پڑ گیا... لیکن افسوس! ابھی میں صرف ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتار سکا تھا کہ تم بیچ میں ٹپک پڑے۔"

"باس کا نام بتاؤ۔"

"نہیں جانتا۔" اس نے بتایا۔

"تم اس گینگ میں کس طرح شامل ہوئے۔"

"میں اپنے طور پر ڈاکے ڈالتا تھا اور اس قسم کے بے شمار کام کرتا تھا... کہ اس کا دعوت نامہ بہت بڑی پیش کش کے ساتھ ملا... اس قدر پیسہ میں ڈاکوں کے ذریعے بھی نہیں کماتا تھا... کیونکہ اپنے ساتھیوں کا حصہ بھی نکالنا پڑتا تھا... لہٰذا..."

اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... اس وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی تھی...

کوشش کی کہانی

انھوں نے اندر داخل ہونے والوں کو نظر بھر کر دیکھا۔ یہ
وہ صدر کے حفاظتی دستے کے آدمی تھے:
"صدرِ مملکت کا پیغام آپ کے لیے۔"
"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا اور پیغام لے کر پڑھا۔
دوسرے ہی لمحے وہ دھک سے رہ گئے... لکھا تھا:
"راجی دادا کو فوری طور پر رہا کر کے تم
میرے پاس چلے آؤ۔"
انھوں نے یہ حکم محمود، فاروق اور فرزانہ کی طرف بڑھا
دیا...
"اب آپ کیا کریں گے؟"
"صدر سے نیچے تک جو آدمی بھی اس معاملے میں دخل
اندازی کرتا... میں اسے جواب دے سکتا تھا... اب صدر
صاحب کو کیا میں انھی کا اجازت نامہ دکھاؤں... ارے
نہیں... بلکہ مجھے تو اب وہ اجازت نامہ واپس دے دینا چاہیے۔
آخر کیا فائدہ اس کا۔" انھوں نے بُرا سا منہ بنایا... پھر
اپنے ماتحتوں سے بولے:
"اسے چھوڑ دو۔" یہ کہا اور ان کی طرف مڑے:
"آؤ چلیں۔"
"جا کہاں رہے ہیں انسپکٹر صاحب... میری بات تو سنتے
جائیے۔" انھوں نے راجی دادا کی آواز سنی تو رُک گئے۔
"جی فرمایئے۔" وہ مسکرائے۔
"تم نے دیکھی میری طاقت... اگر میری طاقت کا حال یہ
ہے تو موت کی طاقت کا کیا عالم ہو گا۔"
"پتا نہیں... کیا عالم ہو گا... ابھی اس سے آمنا سامنا
نہیں ہوا۔" انھوں نے جھلا کر کہا۔
"بہت جلد سامنا ہو گا... وہ اگر چاہے تو خود تمھارے
صدر کے ذریعے تمھیں موت کا حکم سنوا دے۔"
"اگر ایسا وقت آیا تو میں خود زندہ رہنا پسند نہیں
کروں گا۔"
"اس قسم کا ایک وقت تو ابھی تھوڑی دیر پہلے آ بھی
چکا ہے۔"
"نہیں، وہ اس قسم کا نہیں تھا... اس میں فرق ہے،

خیر میں اب رک نہیں سکتا... صدر مملکت انتظار کر
ہوں گے۔"

"شکریہ... جاؤ انسپکٹر! بہت جلد ہماری پھر ملا
ہو گی۔"

وہ کوئی جواب دیے بغیر باہر آ گئے:

"حیرت ہے... صدر صاحب نے سوچے سمجھے بغیر
کر بھیج دیا..." محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"سوچے سمجھے بغیر تو خیر نہیں... کوئی وجہ ہی ہو گی
ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔"

وہ آندھی اور طوفان کی طرح کار چلاتے ہوئے ا
پہنچے... صدر کے چہرے پر غصے کے آثار تھے:

"تم چاروں... اور چاہو تو بیگم کو بھی ساتھ لے
ایک گھنٹے کے اندر اندر اس ملک کو چھوڑ دو۔"

"جی کیا فرمایا..." وہ چلائے... اور پھر ان پر
عالم طاری ہو گیا۔

"یہ آپ نے کیا کہا ہے سر؟"

"تم چاروں اب یہاں نہیں رہ سکتے... تمھیں ملک
کر جانا ہو گا... وہ بھی ایک گھنٹے کے اندر اند

"آخر کیوں! وجہ بھی تو بتائیں؟"

قیام تیاری مکمل ہے... تمھیں یہیں سے ایر پورٹ پر
پہنچایا جائے گا... یہ فیصلہ ایک منٹ کے اندر کرو کہ بیگم
کو بھی ساتھ لے کر جانا ہے یا انھیں یہیں چھوڑ کر جانا
ہے۔" صدر مملکت نے کہا۔

"وہ یہیں رہیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے فیصلہ کن انداز میں
کہا۔

صدر صاحب نے تالی بجائی... ملٹری کے نوجوانوں نے
انھیں گھیرے میں لے لیا:

"چلیے جناب!" ان میں سے ایک نے کہا۔

"تو آپ ہمیں کچھ نہیں بتائیں گے۔"

صدر صاحب نے کوئی جواب نہ دیا... ملٹری کے جوان
انھیں پکڑ کر دروازے کی طرف لے جانے لگے:

"ہم جا رہے ہیں سر... لیکن ہمیں باہر بھیج کر آپ بہت
پریشان ہو جائیں گے۔"

"انھیں جلدی لے جاؤ بھئی..." صدر صاحب نے عجیب
سے انداز میں کہا۔

"کہیں آپ کے صبر کا پیمانہ لبریز نہ ہو جائے، اور آپ
اپنا فیصلہ نہ بدل دیں اور ہمیں یہیں روک لیں... یہی نا..."
انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"میں نے کہا ہے... انھیں لے جاؤ۔" صدر صاحب گرجے
اور وہ باہر نکل آئے... ایک گھنٹے بعد وہ ایک طیارے
میں سفر کر رہے تھے...
"یہ کیا ہوا ابا جان..." فاروق نے سرسراہٹ زدہ آواز
میں کہا۔
"تم لوگ کیا سمجھتے ہو... کیا صدر صاحب نے ہمیں خوشی
سے ملک بدر کیا ہے۔"
"تو پھر؟"
"انھوں نے اپنے سینے پر بہت بڑا پتھر رکھ کر ہمیں یہ
فیصلہ سنایا ہے... گویا وہ اس قدر مجبور ہیں کہ ہمیں نہ چاہتے
ہوئے اپنے سے جدا کر دیا۔"
"آخر کیوں... ہمارے ملک میں ہو کیا رہا ہے... راج
دارا اب کیا گل نہیں کھلائے گا۔"
"اسی لیے تو ہمیں ملک بدر کیا گیا ہے... کہ ہم ان
کے کاموں میں دخل نہ دیں۔"
"اب آپ کیا کریں گے۔"
"جی تو چاہتا ہے... کسی ہوٹل کی اوپر والی منزل پر
کمرہ لے کر آرام کریں... یا یہ دن سیر اور تفریح کرتے
ہوئے بسر کریں... لیکن..."

"بھئی واہ... یہ بات سن کر مزا آ گیا... بس لیکن سے آگے
کچھ نہ کہیے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔
"جب تک ابا جان لیکن سے آگے جملہ نہیں بولیں گے،
بات پوری کس طرح ہو گی۔"
"تو جملے میں سے لیکن کو ویسے ہی ہٹا دیں۔" فاروق نے
فوراً کہا۔
"تو سن ہی لو... ابا جان کیا کہنا چاہتے ہیں۔"
"اچھا بھائی... جیسے تمھاری مرضی۔" فاروق نے کندھے
اچکائے۔
"لیکن... یہ حالات ملک کے لیے اچھے نہیں ہیں... اگر
ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے تو نہ جانے ملک کو کتنا
بڑا نقصان پہنچ جائے۔"
"لیکن ابا جان... ملک میں انکل کامران مرزا بھی تو ہیں۔"
"انھیں بھی تم جیسا حکم مل سکتا ہے۔"
"اوہ!" تینوں ایک ساتھ بولے۔
"تب تو پھر... کچھ کرنا ہو گا۔"
"ہاں! تم فکر نہ کرو۔"
انھیں ایک دور دراز ملک میں اتار دیا گیا... وہاں کے
کاغذات ان کے حوالے کر دیے گئے... کچھ کرنسی نوٹ بھی

تھما دیے گئے...

ایئر پورٹ سے نکل کر وہ ایک ہوٹل میں آ گئے... ہوٹل کے مینیجر سے انھوں نے کسی ایسی ایجنسی کا پتا معلوم کیا... جو لوگوں کو ایک ملک سے دوسرے ملک بھجوانے کے انتظامات کرتی ہو... پھر چاروں کا میک اپ کیا اور اس حد تک تبدیلی کی کہ شاید بیگم جمشید، خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی انھیں دیکھتے تو نہ پہچان سکتے... پھر اس ایجنسی کے دفتر پہنچے... نئے حلیے کے مطابق اپنے کاغذات بنوالیے... اس سلسلے میں انھیں کافی رقم خرچ کرنا پڑی... اور ان کے پاس بہت تھوڑے کرنسی نوٹ رہ گئے...

"اب آپ کرایہ کہاں سے ادا کریں گے..." فرزانہ نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"یہی میں سوچ رہا ہوں۔"

"صرف سوچنے سے تو کام نہیں چلے گا... ابا جان۔"

"تو پھر... کیا کریں۔"

"ہمیں حکم دیں... تین چار پرس اڑا لائیں۔"

"نہیں بھئی... ہم کسی پریشانی میں پڑنا نہیں چاہتے۔ میری جیب میں ہیرے کا لاکٹ ہے... جو ایسے ہی کسی موقع کے لیے جیب میں رکھ چھوڑا تھا... ہم اسی کو فروخت کر

دیں گے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

انھوں نے لاکٹ فروخت کر دیا... صرف پانچ گھنٹے بعد وہ واپس اپنے وطن جا رہے تھے... اور جب وہ اپنے ملک کے ایئر پورٹ پر اترے... تو انھیں ایک کمرے سے گزارا گیا... چیک کرنے والوں میں سے ایک نے کہا:

"آپ لوگ اس طرف سے آئیں۔"

"اوہو! یہ ساری چیکنگ صرف ہماری وجہ سے ہے۔" انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی۔

"تب تو پکڑے جائیں گے۔" فاروق بڑبڑایا۔

اب وہ اس طرف سے گزرے... جس طرف اشارہ کیا گیا تھا... جلد ہی وہ ایک کمرے میں موجود تھے... اس کمرے میں ایک بڑا آئینہ نصب تھا... جب انھوں نے اس آئینے میں خود کو دیکھا تو آئینے میں اصل صورتیں نظر آئیں:

"یہ... یہ کیا۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"جادو کا آئینہ... اس میں میک زدہ چہرے بھی اصل شکل میں نظر آتے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"آپ لوگوں کو واپس جانا ہو گا..." ایک چیک کرنے والے نے کہا۔

"اچھی بات ہے... سمجھائی چلے جاتے ہیں۔"

دو گھنٹے بعد انھیں ایک جہاز میں بٹھایا گیا اور وہ واپس اسی ملک میں پہنچ گئے...

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔"

"تجربہ تو ہو گیا..." انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اب ہم کیا کریں گے۔"

"ان حالات میں ہم اپنے ملک سے دور تو رہ نہیں سکتے۔ اب ہمیں خان رحمان اور پروفیسر داؤد کی مدد لینا پڑے گی... اور سمندر کا راستا اختیار کرنا ہو گا۔"

"کیا آپ کے خیال میں اس طرف کوئی چیکنگ نہیں ہو گی۔" محمود نے کہا۔

"سمندر کے راستوں کی چیکنگ اتنی آسانی سے نہیں ہوتی... وہاں بہت سے راستے نکل آتے ہیں... اور پھر خان رحمان اس کام کے ماہر ہیں... وہ کوئی ایسا مقام تلاش کر لیں گے... جس طرف کوئی چیک کرنے والا موجود نہیں ہو گا... اور اگر وہ چار ہوئے... تو ہم ان سے نبٹ لیں گے۔"

"تو پھر چلیے... ان سے بات کرتے ہیں۔"

ہوٹل پہنچ کر انھوں نے خان رحمان سے رابطہ قائم

کرنے کی کوشش شروع کی... لیکن دوسری طرف سے سلسلہ نہ مل سکا...

"اس کا مطلب ہے... ٹیلی فون ایکس چینج بھی ان کی زد میں ہے اور ہم ان سے کوئی بات نہیں کر سکتے... خیر... میں گھر کے نمبر ڈائل کر کے دیکھتا ہوں۔"

انھوں نے گھر بات کرنے کی کوشش کی... لیکن ناکام ہو گئے...

"اب کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔"

"اور وہ کیا؟"

"ہمیں یہاں سے بھی کوچ کرنا ہو گا.... اب ہم ایک اور ملک کا سفر کریں گے... وہاں ایک دوست سے ملاقات کریں گے... دوست خان رحمان کو فون کرے گا... اپنے نام سے بات کرے گا... اور ہم پس پردہ رہیں گے۔"

"لیکن اس طرح ہم ان پر اپنی بات کس طرح واضح کر سکیں گے۔"

"خان رحمان کو دوست اپنے پاس بلا لے گا نا..."

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

وہ اسی وقت پھر ہوٹل سے نکل کر ایئر پورٹ کی طرف روانہ ہو گئے... چند گھنٹے بعد انھیں جہاز مل سکا... چھ

گھنٹے کے سفر کے بعد وہ اپنے ایک غیر ملکی دوست کے پاس بیٹھے تھے... اسے ساری بات سمجھ آ گئی... وہ ان کا مشترکہ دوست تھا... خان رحمان اور پروفیسر داؤد کا بھی بہت گہرا دوست تھا اور نام تھا جان برنی... اس نے اسی وقت خان رحمان کو فون کرنے کی کوشش شروع کر دی... آخر بڑی مشکل سے خان رحمان کی آواز سنائی دی:

"ہیلو کون... اوہ برنی... تم... خیریت تو ہے... کیسے یاد کیا؟"

"بہت اہم کام ہے... یہیں آ جائیں۔"

"یہیں آ جاؤں۔"

"ہاں! بس آ جاؤ۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

دوسرے دن خان رحمان ان کے پاس موجود تھے، اور انھیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے:

"یہ سب کیا چکر ہے بھئی؟"

"یہ وہ چکر ہے... جس میں ہم گھن چکر بن گئے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"اور تمھاری شوخی بدستور جاری ہے۔"

"یہ مجبوری ہماری ہے۔" فاروق بولا۔

"آج کل شاعر ہو رہے ہو۔" خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"شاعر ہوا نہیں جاتا... ہو جاتا ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اوہو اچھا... تمھارا مطلب ہے... شاعر بنا نہیں جا سکتے... بن جاتے ہیں۔"

"جی ہاں!" اس نے کہا۔

"لیکن خان رحمان... ہم یہاں شاعری پر بات کرنے کے لیے جمع نہیں ہوئے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"اوہ ہاں! واقعی... اچھا تم اپنی سناؤ۔"

انھوں نے مختصر طور پر حالات سنا دیے... خان رحمان دھک سے رہ گئے اور بولے:

"مزے کی بات یہ ہے کہ وہاں کسی کو یہ باتیں معلوم نہیں... صدر صاحب نے تمھارے گھر فون کر کے صرف اتنا بتایا تھا کہ تم چاروں کو ایک خفیہ مہم پر روانہ کیا گیا ہے... لہٰذا فکر نہ کریں... بھابی نے فون پر یہی بات ہمیں بتا دی تھی، اور ہم واقعی بے فکر ہو گئے تھے۔"

"اور میں نے فون کرنے کی کوشش کی تو فون نہ کر سکا... تمام جگہوں پر چیک کرنے والے موجود ہیں۔"

"پھر اب کیا پروگرام ہے؟"

"ان حالات میں مَیں ملک سے باہر نہیں رہنا چاہتا... نہ جانے وہاں کیا چکر چلنے والا ہے... کیوں ہمیں ملک بدر کرنے کا منصوبہ بنایا گیا... اور صدر صاحب کیوں ان لوگوں کی انگلیوں پر ناچ رہے ہیں؟"

"ہوں! تم کس راستے سے جانا چاہتے ہو؟"

"تمام راستے بند ہیں... ہم صرف کوشش کر سکتے ہیں، اور وہ بھی سمندری راستے سے۔"

"اچھی بات ہے... ہم اسی وقت چلے چلتے ہیں... ایک جہاز ران کمپنی سے میرے تعلقات ہیں... ہمیں پہلے وہاں جانا پڑے گا... وہ بحری جہاز میں ہمیں لے جائیں گے۔" خان رحمان بولے۔

"لیکن اس طرح تو ہمیں دیکھ لیا جائے گا۔"

"کس طرح دیکھ لیا جائے گا... آخر تم میک اپ کے بادشاہ ہو۔"

"آج کے دور میں جدید آلات میک اپ کا بھانڈا فوراً پھوڑ دیتے ہیں... ہم ایک ایسی کوشش کر چکے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

اب انھوں نے اپنی کوشش کی کہانی سنائی... خان رحمان دھک سے رہ گئے:

"تب پھر ہم کیا کریں گے؟"

"تم واپس جاؤ... ایک آدھ دن اِدھر اُدھر گھومو پھرو، اور یہ اندازہ لگاؤ کہ کوئی تمھارا تعاقب تو نہیں کرتا... نگرانی تو نہیں کر رہا... اگر ایسا ہے، تو پھر کسی طرح ان کی نظروں سے بچ کر ساحل پہ کوئی ایسا مقام تلاش کرو... جس کے ذریعے ہم ملک میں داخل ہو سکیں..."

"اور میں اس مقام کی اطلاع کس طرح دوں؟"

"فرضی نام سے... فرضی پتے پر... پتا مسٹر برنی بتائیں گے... اور نام ہو گا تمھارا مارٹی رونا۔"

"مارٹی رونا... یہ کیا نام ہوا... میں کیوں رونے لگا۔"

انھوں نے منہ بنایا۔

"اوہو... بھئی یہ غیر ملکی نام ہے... اپنی طرف کا نام نہیں۔"

"ہوں... اچھی بات ہے... لیکن تار کے الفاظ بھی تو پڑھے جا سکتے ہیں۔"

"تار بھی تم خود نہیں دو گے... وہاں کسی دوسرے شہر کے کسی اور دوست کے ذریعے یہ کام لو گے۔"

"اوہ ہاں! اس طرح تو یہ بات ہو سکتی ہے۔"

"اور ہم پکڑے نہیں جائیں گے۔" محمود نے خوش ہو

کر کہا۔

"تو پھر تم تیاری کرو خان رحمان... ہمارے پاس وقت کم ہے... اور ہمارے ملک میں داخل ہونے میں کئی دن لگ جائیں گے۔"

"اب کیا کیا جائے... مجبوری ہے... ہوائی راستے کی چیکنگ کا کیا کیا جائے۔"

خان رحمان واپس روانہ ہو گئے... دو دن بعد ان کی طرف سے تار ملا اور وہ اسی وقت وہاں سے چل پڑے۔ سارے انتظامات وہ ان دو دنوں میں کر ہی چکے تھے۔ جہاز کے کپتان نے ان کے لیے بالکل الگ انتظام کر رکھا تھا... اس طرح کہ وہ کسی کی نظروں میں نہ آ سکیں... اور پھر ایک رات گہری تاریکی میں انھیں پانی میں اتار دیا گیا... ان کا ملک اس جگہ سے بہت نزدیک تھا... اور سمت کپتان نے انھیں بتا دی... یہ سمت خان رحمان کے تار کی روشنی میں بتائی گئی تھی... انھیں تین چار کلومیٹر تیرنا پڑا... آخر کار وہ ساحل پر جا لگے۔

"السلام علیکم!" انھوں نے خان رحمان کی آواز سنی۔

"کیا ہر کام امیدوں کے مطابق ہوا ہے؟"

"ہاں! اب کہاں جانا ہے... یہ بتاؤ۔"

"میک اپ میں تو ہم ہیں ہی... بس کسی ہوٹل میں ٹھہریں گے... اور تم اس ہوٹل کے نزدیک بھی نہیں جاؤ گے۔"

"اچھی بات ہے... نہیں جاؤں گا۔" وہ بولے

عین اسی وقت ان کے جسم روشنیوں میں نہا گئے... وہ بری طرح اچھلے...

سر کا بھاؤ

"آپ لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دیں۔"

"کیا مصیبت ہے بھئی... کچھ تو خیال کریں۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

ان کے چاروں طرف ملٹری مین کھڑے تھے...

"کیا خیال کریں جناب... ہمیں تو جو حکم ملا ہے... اس پر عمل کرنا ہے۔"

"اور حکم کیا ملا ہے؟"

"یہ کہ آپ لوگ ملک میں داخل نہ ہونے پائیں۔"

"آخر ہم اپنے ملک کے لیے اس قدر زہر کب سے بن گئے؟"

"یہ باتیں ہمارے سمجھنے کی نہیں ہیں جناب... یہ تو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں... یا آپ جانیں۔"

"کیا آپ کو اس ملک سے محبت نہیں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں... اپنے وطن سے اور ہم فوجیوں کو محبت نہیں ہو گی... تو پھر کسے ہو گی۔"

"تو پھر ہمارا ملک میں داخل ہونا... ملک کے فائدے کی بات ہے۔"

"حکم عدولی کس طرح کریں... سوال تو یہ ہے۔"

"آپ لوگ اپنے وطن سے غداری نہیں کریں گے... ہمیں اجازت دے کر۔"

"ہم اپنی نوکریوں سے بھی جائیں گے... اور جیل میں بھی سڑنا پڑے گا۔"

"ہوں... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں... چلیے... ہمیں ملک سے باہر بھیج دیجیے۔"

"شکریہ... اس گاڑی میں بیٹھ جائیں... ایئرپورٹ پر آپ کے لیے جہاز تیار کھڑا ہے۔"

"کیا میں بھی ان کے ساتھ جاؤں گا۔"

"نہیں... آپ کو صدر مملکت نے طلب فرمایا ہے۔"

"خان رحمان! اگر تمھارے ساتھ زیادتی کی جائے تو مجھے خبر ضرور کر دینا۔"

"لیکن وہ میرے ساتھ زیادتی کیوں کریں گے... میں نے صرف اتنا کیا ہے تاکہ اپنے دوستوں کو ملک میں

لانے کی کوشش کی ہے... اور یہ کوئی جرم نہیں ہے
بلکہ جرم تو یہ ہے کہ تم جیسے محب وطن لوگوں کو
بدر کر دیا گیا ہے... اس سے بڑی زیادتی اور کیا
گی... ابھی تو ان باتوں کا علم ملک کے لوگوں
نہیں ہے... ملک میں تو ایک طوفان کھڑا ہو جائے
"اور یہی میں نہیں چاہتا... کہ طوفان اٹھ کھڑا ہو
ایک طوفان اپنے ساتھ کئی اور طوفانوں کو لے آتا ہے
اور ان طوفانوں میں ملک ڈولنے لگتا ہے... میں اپنے
ملک کو ایسے خطرات میں ڈالنا نہیں چاہتا... ورنہ اپنے
وطن میں لوٹنا میرے لیے ذرا بھی مشکل ثابت نہ ہوتا۔"
"جمشید... تم واقعی عظیم ہو..." خان رحمان نے بھرائی
ہوئی آواز میں کہا۔
"توبہ توبہ... ایسی بات نہ کہو خان رحمان... میں بہت
ادنیٰ سا آدمی ہوں... خیر چھوڑو ان باتوں کو اور
جاؤ... صدر صاحب سے ملو۔"
"اچھی بات ہے۔"
چند گھنٹے بعد وہ پھر اسی ملک میں موجود تھے...
سے نکل کر جان برقی کے ملک میں گئے تھے...
"اب کیا کریں بھئی۔"

"آپ نے غور کیا ابا جان... آخر ہمارے اس پروگرام کی
خبر ہمارے ملک کے جاسوسوں کو کس طرح لگ گئی۔"
"ہاں! میں غور کرتا رہا ہوں... لیکن ابھی تک سمجھ
نہیں سکا... شاید ہماری نگرانی اس ملک میں بھی ہو
رہی ہے... اور برقی کے ملک میں بھی ہوتی رہی ہے۔
خان رحمان سے ملاقات ان لوگوں سے چھپی نہ رہ سکی،
اور انھوں نے ہمارے ملک کے جاسوسوں کو اطلاع دی۔"
"لیکن اس مقام کا پتا انھیں کس طرح لگا۔"
"خان رحمان کی نہایت خفیہ انداز میں نگرانی کر کے...
خان رحمان انھیں دیکھ نہیں سکے۔"
"اب ہم کیا کریں گے۔"
"ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پھر بھی نہیں بیٹھیں گے۔" انسپکٹر
جمشید مسکرائے۔
"آخر اب آپ کیا کریں گے۔"
"اس جہاز ران کمپنی سے بات کریں گے۔"
"اس طرح تو ہم پہلے ہی ناکام ہو چکے ہیں۔"
"اب ہم اپنا پروگرام کسی کو نہیں بتائیں گے، اور
نگرانی کرنے والوں کو بھی غچہ دے دیں گے... بات صرف
ہمارے اور کپتان کے درمیان رہے گی۔"

"چلیے پھر... یہ بھی کر کے دیکھ لیں۔"

وہ اس جہاز راں کمپنی کے مالک سے ملے.... خان رحمان پہلے ہی ان کا مکمل تعارف کرا چکے تھے... انھیں دیکھ کر وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا:

"میری اطلاع کے مطابق تو آپ اپنے ملک میں داخل ہو چکے ہیں۔"

"آپ کی اطلاع غلط نہیں تھی... لیکن ملک کی سرزمین پر ہمارے استقبال کی تیاریاں کی جا چکی تھیں..."

"اوہو اچھا۔" اس نے کہا۔

"ہم ایک بار اور آپ کو زحمت دینا چاہتے ہیں۔"

"میں ہر خدمت کے لیے تیار ہوں۔"

"آپ صرف اس جہاز کے کپتان کو یہاں بلا لیں... جو سب سے پہلے ہمارے ملک کی طرف جانے والا ہے بس میں کپتان سے بات کر لوں گا... آپ انھیں صرف یہ ہدایت دے دیں کہ وہ ہماری ہر ممکن مدد کریں۔"

"اچھی بات ہے... میں بلاتا ہوں۔"

جلد ہی وہ اس کپتان سے خفیہ طور پر بات کر رہے تھے... ساری بات سمجھنے کے بعد کپتان نے کہا:

"آپ فکر نہ کریں... آئیے میرے ساتھ

جہاز کے کپتان کا نام چارلی ڈنگ تھا... اس نے انھیں جہاز کے ایک کمرے میں پہنچا دیا... ابھی جہاز پر مسافروں کے سوار ہونے کا عمل شروع نہیں ہوا تھا... عملے میں سے بھی اس وقت کوئی موجود نہیں تھا... لہذا انھیں کسی نے نہیں دیکھا۔

"اس کمرے میں سے ایک کمرہ خفیہ نکلتا ہے... آپ تمام راستا اس خفیہ کمرے میں رہیں گے... وہ کمرہ ہے بھی ساؤنڈ پروف... عملے میں سے بھی کسی کو اس کے بارے میں معلوم نہیں... اس کمرے میں میں رہتا ہوں... کھانے پینے کی ہر چیز یہاں آپ کو ملتی رہے گی... جب میں ڈیوٹی پر ہوتا ہوں، تو اس کمرہ کو تالا لگا ہوتا ہے... گویا اسی دوران آپ لوگ اس کمرے میں آ کر کھا سکتے ہیں... پی سکتے ہیں... اور یہاں سے وہاں تک چل قدمی کر سکتے ہیں۔"

"بہت خوب... ساحل پر پہنچ کر بھی آپ ہمیں باہر نکلنے کا اشارہ نہ دیجیے گا... جب تمام مسافر اور عملہ اتر جائے گا... اور جہاز پر کوئی نہیں رہ جائے گا... اس وقت ہم رات کی تاریکی میں پانی میں اتر جائیں گے... اور تیر کر دور نکل جائیں گے۔"

"لیکن میں کہوں گا کہ آپ اسی روز نہ نکل جائیں... ایک دو دن اور رُکے رہیں... ورنہ ہو سکتا ہے... آپ کو پھر دیکھ

لیا جائے۔"

"اچھی بات ہے... ہم یہ بھی کریں گے۔"

اس ترکیب پر عمل کرتے ہوئے وہ نو دن بعد اپنے ملک کے ساحل پر پہنچے... اور اس کے ایک دن بعد رات کے وقت پانی میں اترے... اور ساحل سے قدرے دور ہٹ کر تیرتے ہوئے ایک بے آباد ساحل پر پہنچے... انھوں نے ساحل پر لیٹے لیٹے دیکھا... دور دور تک کوئی نہیں تھا... اس کا مطلب تھا... آخر اس مرتبہ وہ کامیاب ہو ہی گئے تھے۔

"ہم پہلے اپنے خفیہ ٹھکانے پر جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن ابا جان... وہ تو یہاں سے کئی کلومیٹر دور ہے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"بس نکل گئی جان۔"

"جان بے چاری بھی نکلے نہ تو آخر کیا کریں... سمندر میں کتنی دیر تک تیرنا پڑا ہے... اب پیدل چلنا پڑے گا۔"

"مجبوری ہے بھئی۔"

"لیکن ابا جان! ہم کوئی گاڑی بھی تو پار کر سکتے ہیں۔"

"ضرور کر سکتے ہیں... لیکن میں کسی قسم کا کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا... ہم کسی کی گاڑی چرائیں گے.... وہ رپورٹ درج کرائے گا... پولیس گاڑی تلاش کرے گی...

اس طرح وہ ہماری لائن پر لگ سکتی ہے... جب کہ میں چاہتا ہوں... اس ملک کے ہر متعلقہ آدمی یہی خیال کرتا رہے کہ ہم ملک میں داخل نہیں ہو سکے... یہاں تک کہ..." وہ کہتے کہتے رک گئے۔

"یہاں تک کہ کیا؟"

"یہاں تک کہ خان رحمان اور پروفیسر صاحب کو بھی معلوم نہیں ہو گا... تمھاری امی کو بھی ہم کوئی فون نہیں کریں گے۔" انھوں نے کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"یہاں جو گاڑی موجود ہے... کیا ہم اسے استعمال کر سکیں گے ابا جان؟" محمود نے پوچھا۔

"ہاں! بہت شوق سے... اس لیے کہ اس گاڑی کا ریکارڈ رجسٹریشن آفس میں نہیں ہے..."

"اور ہم رہیں گے ہوٹل میں..." فرزانہ بولی۔

"ہاں بالکل!"

"جب کہ میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں ابا جان۔" فاروق نے کہا۔

"کیوں... ضرورت کیوں نہیں؟"

"ہم یہاں بھی تو رہ سکتے ہیں۔"

"بھئی ہم یہاں چھپے تو نہیں رہیں گے... کام کریں گے، بلکہ ابھی اور اسی وقت سے کام شروع کریں گے۔"

وہ اس کار میں بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے... انسپکٹر جمشید نے ہوٹل خاصان کے سامنے اپنی کار روک دی پہلے انھوں نے ایک کمرہ کرائے پر لیا... پھر انسپکٹر جمشید نے رازدارانہ انداز میں پوچھا:

"راجی دادا سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"کیوں؟" کاؤنٹر کلرک چونکا۔

"ان سے ہمیں بہت ضروری کام ہے۔"

"پتا نہیں... بہت دنوں سے اسے نہیں دیکھا... سنا ہے اب وہ چھوٹے لوگوں کے چھوٹے کام نہیں کرتا... بلکہ بڑے بڑے لوگوں کے بہت بڑے کام کرتا ہے۔"

"پھر بھی... کوئی اندازہ... کہاں مل سکیں گے ہم اس سے؟"

"کہا نا... مجھے نہیں معلوم۔"

"اچھا شکریہ..." وہ اوپر اپنے کمرے میں آ گئے... ابھی سامان ترتیب سے لگا رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"آ گیا کالا چور۔" فاروق بول اٹھا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا... فاروق یہ دیکھ کر گھبرا گیا:

"کیوں بھئی... گھبرا کیوں گئے؟"

"آپ مجھے اس طرح حیران ہو کر کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

"تم نے کالا چور کا لفظ کیوں بولا؟"

"ابھی ہمیں یہاں آئے ہوئے دیر بھی کتنی ہوئی ہے... بیرا ساتھ بھیجنے سے ہم پہلے ہی منع کر چکے ہیں... پھر بھلا کوئی کیوں آنے لگا... لیکن کوئی آ چکا ہے۔" فاروق نے دبی آواز میں کہا۔

"ٹھہرو! میں دیکھتا ہوں۔"

وہ دروازے پر پہنچے اور سرسری انداز میں پوچھا:

"کون ہے؟"

"اس کمرے کا بیرا سر۔"

"ابھی ہمیں کچھ نہیں چاہیے... ضرورت پڑی تو بلا لیں گے۔"

"لیکن مجھے آپ سے کام ہے جناب۔" باہر سے کہا گیا۔

"کیا مطلب؟... آپ کو ہم سے کام ہے؟"

"جی ہاں! اور یہ کام راجی دادا کے سلسلے میں ہے۔"

"اوہو اچھا... ٹھہرو... میں دروازہ کھول رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ان تینوں کو اشارہ کیا... وہ فوراً باتھ روم میں گھس گئے... ادھر انسپکٹر جمشید نے یک دم چٹخنی

گرا دی اور خود دروازے کی اوٹ میں ہوتے چلے گئے۔۔
ہلکی سی ڈز ڈز کی تین آوازیں آئیں اور تین گولیاں سامنے
والی الماری کے دروازے میں دھنس گئیں۔۔۔
"ارے! یہاں تو کوئی نہیں ہے۔۔۔" ان الفاظ کے ساتھ
ہی دو آدمی اندر داخل ہو گئے۔۔۔ دونوں کے ہاتھوں میں
پستول تھے۔۔۔ انسپکٹر جمشید نے بیک وقت دونوں کی کمر پر
ایک ایک ہاتھ اس زور سے رسید کیا کہ وہ اوندھے منہ گرے،
پستول ان کے ہاتھوں سے نکل گئے۔۔۔ اس کے ساتھ ہی
غسل خانے کا دروازہ کھلا۔۔۔ محمود اور فاروق نے فوراً پستول
اٹھا لیے۔۔۔ فرزانہ نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔
"یہ اندر آنے کا کون طریقہ تھا بھئی۔" فاروق نے
منہ بنایا۔
انھوں نے کچھ نہ کہا۔۔۔ کھڑے ہو کر ٹکر ٹکر ان کی طرف
دیکھنے لگے۔
"گونگے ہو گئے۔"
"صاحب معاف کر دیں۔" ایک بولا۔
"جاؤ معاف کیا۔۔۔ تم بھی کیا یاد کرو گے۔" فاروق نے
خوش ہو کر کہا۔
"بہت بہت شکریہ۔۔۔" دونوں جانے کے لیے مڑے۔

"بھئی ہم نے معاف کیا ہے۔۔۔ جانے کے لیے تو نہیں کہا۔"
محمود نے فوراً کہا۔
"جی۔۔۔ کیا مطلب؟"
"راجی دادا کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" انسپکٹر جمشید نے
سرد آواز میں کہا۔
"آپ کاؤنٹر پر ان کے بارے میں پوچھ رہے تھے نا۔۔۔"
ایک نے کہا۔
"ہاں! پوچھ رہے تھے تو پھر؟" انسپکٹر جمشید نے انھیں تیز
نظروں سے دیکھا۔
"پھر یہ کہ ہم راجی دادا کے ایجنٹ ہیں۔۔۔ اور آپ کو ان
سے ملوا سکتے ہیں۔"
"بھئی واہ! تم تو کام کے آدمی نکلے۔۔۔" انسپکٹر جمشید نے
خوش ہو کر کہا۔
"جی بس! اب کیا بتائیں۔۔۔ ہم تو لوگوں کی خدمت کرتے
رہتے ہیں۔"
"تو پھر ہمیں کب ملوا رہے ہیں؟"
"جب آپ چاہیں۔۔۔ اسی وقت بھی ملاقات ہو سکتی ہے۔"
"تو پھر چلیے۔۔۔ ہم تیار ہیں۔"
"کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔۔۔ وہ یہیں آ جائیں گے۔"

یہ ہوٹل ان کا اپنا ہے۔"

"اب مجھے یقین آ گیا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی... کس بات کا یقین آ گیا؟"

"یہ کہ تم واقعی اس کے ایجنٹ ہو۔"

"وہ کیسے؟"

"تم نے کہا ہے نا کہ یہ ہوٹل ان کا اپنا ہے... یہ بات تو اس کا کوئی ایجنٹ ہی بتا سکتا ہے۔"

"لیکن... سوال یہ ہے کہ آپ کو کس طرح یہ بات معلوم ہوئی کہ ان سے ملاقات اس ہوٹل میں ہو سکتی ہے۔" ان میں سے ایک نے چونک کر کہا۔

"بہت خوب! اس کا مطلب ہے... تم عقل بھی رکھتے ہو، ورنہ یہ سوال ذہن میں کس طرح ابھرتا۔"

"ہوں... آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"شہر کے ایک شخص نے یہ بات بتائی تھی۔"

"اس کا نام؟"

"کیا نام بتانا ضروری ہے؟"

"ہاں! ورنہ راجی دادا سے ملاقات نہیں ہو سکے گی... راجی دادا پہلے اس آدمی سے بات کریں گے... اپنا اطمینان کریں گے... پھر آپ سے ملاقات کریں گے۔"

"تب تو یہ ملاقات نہیں ہو سکے گی۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"وہ کیوں؟" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"اس لیے کہ جس آدمی نے ہمیں یہ بات بتائی تھی... وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"اس صورت میں آپ صرف اس کا نام بتا دیں۔"

"بہت بہتر! اس کا نام شوبا ڈونی تھا..."

"کک... کیا... شوبا ڈونی... وہ تو پکڑا گیا تھا۔"

"تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے... کیا پکڑے جانے سے پہلے وہ کسی کو یہ بات نہیں بتا سکتا تھا کہ راجی دادا سے ملاقات ہوٹل خاصان میں ہو سکتی ہے۔"

"ہاں! بتا سکتا تھا... لیکن وہ تو بہت عرصہ پہلے مر گیا تھا... اور آپ آج ملاقات کے لیے آ رہے ہیں۔"

"اس وقت ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی... آج محسوس کی ہے... اب اگر تم لوگوں کے سوالات ختم ہو گئے ہوں تو ملاقات کا انتظام کر دو۔"

"آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ شوبا ڈونی راجی دادا کا خاص آدمی تھا... اس کا نام سن کر راجی دادا آپ سے ضرور ملاقات کریں گے... آپ انتظار کریں۔"

"شکریہ..." انھوں نے کہا۔

دونوں چٹخنی گرا کر کمرے سے نکل گئے:

"ملاقات کے لیے پوری تیاری کر لو بھئی... ہم خطرے میں بھی پڑ سکتے ہیں۔"

"جی بہتر۔"

وہ اپنی تیاریوں میں مصروف ہو گئے... اچانک دروازے پر دستک ہو گی... انسپکٹر جمشید نے ایک نظر کمرے پر ڈالی تو فاروق اور فرزانہ نظر نہیں آ رہے تھے... وہ مسکرائے اور دروازے کی طرف بڑھے:

"کون؟" وہ بولے۔

"یہ ہم ہیں... راجی دادا آ گئے ہیں۔"

انسپکٹر جمشید حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے... وہ تو بہت جلد اسے بلا لائے تھے... انھوں نے چٹخنی گرا دی... راجی دادا ایک دم اندر داخل ہوا... اور پھنکارتی آواز میں بولا:

"پہلے تو تم ہاتھ اوپر اٹھا دو... ارے..." کہتے کہتے وہ چونک اٹھا... پھر اپنے دو ساتھیوں کی طرف مڑا:

"تم نے تو کہا تھا کہ اس کے ساتھ تین بچے بھی ہیں۔"

"جی ہاں... بالکل تھے۔"

"وہ اپنے کام کاج میں مصروف ہیں... آپ سے تو کام ہے... انھیں نہیں..." انسپکٹر جمشید اپنی خاصی بدلی ہوئی آواز میں بولے۔

"لیکن ہم نے انھیں کمرے سے نکلتے نہیں دیکھا..." راجی دادا غرایا۔

"اوہ! اس کا مطلب ہے... باہر نظر رکھی جا رہی تھی۔" انھوں نے کہا:

"جا رہی تھی نہیں... اب بھی رکھی جا رہی ہے... اب سیدھی طرح بتا دو... تینوں بچے کہاں ہیں۔"

"ان میں سے ایک شاید باتھ روم میں ہے... دو دوسرے کمرے میں۔"

"انھیں یہیں بلا لو... اگر مجھ سے بات کرنی ہے۔"

"تم لوگ بھی یہاں آ جاؤ بھئی۔"

باتھ روم کا دروازہ کھلا... محمود ان کے نزدیک آ گیا... راجی دادا نے نظر بھر کر اسے دیکھا... پھر دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا... فاروق اور فرزانہ نزدیک آ گئے۔

"یہ وہ لگتے تو نہیں۔" راجی دادا بڑبڑایا۔

"آپ کس کی بات کر رہے ہیں جناب۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"چھوڑو... تم یہ بتاؤ... مجھ سے کیا کام ہے؟"

"میں اپنے ایک دشمن سے چھٹکارا پانا چاہتا ہوں۔"

"معاوضہ پانچ لاکھ روپے ہو گا۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔

"پانچ لاکھ... یہ تو بہت ہیں۔"

"آج کل انسانی سر کا یہی ریٹ چل رہا ہے... مہنگائی بہت بڑھ گئی ہے... زندہ انسان کی کوئی قیمت نہیں لیکن زندہ انسان کو مردہ بنانے کا ریٹ اس سے کم نہیں۔" وہ بولا۔

"اچھی بات ہے... میں پانچ لاکھ روپے کا چیک لکھ دیتا ہوں۔"

"اس صورت میں کام اس وقت ہو گا... جب چیک کیش ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے... مجھے کوئی اعتراض نہیں... چیک فوراً ہی کیش ہو جائے گا۔"

"تو پھر آج رات ہی... اس آدمی کو ٹھکانے لگا دیا جائے گا... اس کی تصویر اور پتا بتاؤ۔"

انسپکٹر جمشید نے جیب سے ایک تصویر نکال کر دی، ساتھ ہی ایک کاغذ بھی دیا... پھر چیک بک جیب سے نکال کر پانچ لاکھ روپے کا چیک لکھ دیا...

"بہت خوب... یہ لو بھئی... چیک کیش کرا لاؤ... خیال رہے... جب کیش ہو جائے تو اسی وقت میرے اکاؤنٹ میں جمع کرا کر یہاں واپس آنا اور مجھے اطلاع دینا... اس دوران تک میں ڈنی اور بونی کو بھیج کر اس شکار کے بارے میں پتا کراتا ہوں..." یہ کہہ کر وہ ان کی طرف مڑا:

"ہو سکتا ہے... یہ آج نہ مل سکے... کہیں گیا ہوا ہو۔"

"نہیں گیا ہو گا... مل جائے گا۔"

"پکی بات ہے۔"

"بہت پکی ہے۔" وہ بولے۔

"اس سے دشمنی کیا ہے؟"

"یہ بات بتانے کی نہیں۔" انھوں نے منہ بنایا۔

"تمھارے ساتھ تین بچوں کا سن کر میں چونک گیا تھا، اور یہ خیال کر بیٹھا تھا کہ انسپکٹر جمشید کسی طرح ملک میں داخل ہو گیا ہے... لیکن یہاں آ کر اور تم سے بات کر کے میرا خیال غلط ثابت ہو گیا۔"

"میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اوہ ہاں! بھلا تم کس طرح سمجھ سکو گے... یہ معاملہ اوپر
ہے... بس تم فکر نہ کرو... اس کی لاش کہاں ملے"
"کہیں بھی مل جائے... اس سے کوئی فرق نہیں پڑے
گا" انھوں نے کہا۔
"کیوں... کیا پولیس تم پر شک نہیں کرے گی"
"بالکل نہیں کرے گی... یہ دشمنی بہت خفیہ قسم
ہے... کسی کی نظروں میں نہیں ہے... اور نہ اس شخص
سے بظاہر میرا کوئی تعلق نکلتا ہے"
"اوہ اچھا... خیر... میں نے تو اس لیے پوچھ لیا تھا
تم پانچ لاکھ روپے بھی خرچ کر رہے ہو... کہیں گرفت
میں نہ آ جاؤ"
"نہیں... اس کا دور دور تک امکان نہیں... ہاں یہ
امکان اس صورت میں ہو سکتا ہے... کہ تم پکڑے جاؤ
اور یہ بتا دو کہ کس نے یہ کام کرایا ہے... لیکن اس
طرح بھی ہم نہیں پکڑے جائیں گے"
"ایک حرف... ہم لوگ پولیس کو کبھی بھی یہ نہیں جتاتے
کہ فلاں کام ہم سے کس نے لیا ہے... اوّل تو وہ
سامنے آتا ہی نہیں... میرے گرگے اس قسم کے کام
کرتے ہیں... وہ اگر پکڑے بھی جائیں تو انھیں بہت

بڑا لیا جاتا ہے... اس پانچ لاکھ روپے میں سے آخر
ان کا بھی تو حصہ ہے... آج ہی انھیں دو لاکھ روپے
مل جائیں گے اور وہ اس کے حصے بخرے کر لیں گے...
انھیں یہ بھی بتا دیا جائے گا... یہ رقم انھیں کس کے
قتل کے سلسلے میں ملی ہے... وہ اس قتل کی فائل گول
کرنے کا کام انجام دیں گے... میرا کام اسی لیے تو تیزی
سے ہوتا ہے... میرے کیے ہوئے کیسوں میں پولیس دل چسپی
ہی نہیں لیتی"
"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات"
"اور دوسری بات"
"آپ کا مطلب ہے... واردات سے پہلے پولیس کو
رقم مل جائے گی" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔
"ہاں بالکل... انھیں یہ بات پہلے ہی معلوم ہو گی کہ
آج کس شخص کو ٹھکانے لگایا جائے گا... لہٰذا وہ اس
طرف کی گشت نہیں کریں گے"
"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔
"لیکن مسٹر راجی دادا... میرا خیال ہے... آپ غلط بیانی
سے کام لے رہے ہیں" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔
"وہ کیسے؟" اس نے بُرا مان کر کہا۔

"ابھی ہمارے سامنے آپ نے اپنے دونوں آدمیوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ چیک کیش کرا کے آپ کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دی جائے... جب کہ آپ اب کہہ رہے ہیں کہ ان کا حصہ آج ہی انھیں مل جائے گا۔"

"یہ بات تو طے ہے... اس لیے انھیں سمجھانے کی ضرورت نہیں تھی... وہ پانچ لاکھ کیش کرائیں گے... اس میں سے صرف اڑھائی لاکھ روپے میرے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں گے..."

"ابھی آپ تین لاکھ کہہ رہے تھے۔" فرزانہ نے مردانہ آواز میں کہا۔

"آپ لوگ سمجھے نہیں... تین میں سے پچاس میرے گرگوں کے بھی ہوتے ہیں... میں ہر کیس میں سے پچاس ہزار روپے انھیں بھی حصہ دے دیتا ہوں... اور تنخواہ ان کی رہی الگ۔"

"بہت خوب... اور باقی دو وہ کس اکاؤنٹ میں جمع کراتے ہیں۔"

"پولیس والوں نے بھی اپنا ایک مشترکہ اکاؤنٹ کھلوا رکھا ہے... فرضی نام سے... بس وہ دو لاکھ اس میں کرا دیں گے اور بنک رسید اسی وقت انھیں پہنچا کر آئیں گے... ساتھ میں دوسری تفصیل بھی... تاکہ اس طرف گشت نہ ہو...

موقعِ واردات پر بھی وہ بہت دیر سے پہنچیں گے... گویا سارا کام پورے اطمینان سے ہو گا۔"

"بہت خوب! آپ تو بہت پکا کام کرنے کے عادی ہیں... اسی لیے اب تک نہ جانے کتنے آدمیوں کو نہایت کامیابی سے ٹھکانے لگا چکے ہوں گے۔"

"بس تعداد نہ پوچھو... میں نے تو گننا چھوڑ دیا ہے... اور آج کل تو مجھے تھوک کا سودا ملا ہوا ہے... جیل کے پندرہ آدمیوں کو ٹھکانے لگانے کا ٹھیکہ... ان میں سے چار کا صفایا کر چکا ہوں... باقی گیارہ رہتے ہیں... جیل میں ذرا طریقۂ کار بدلنا پڑا ہے... میں خود ہی جیل میں چلا گیا تھا... کیونکہ وہاں اپنے گرگوں سے کام نہیں لیا جا سکتا۔" وہ کہتا چلا گیا۔

"تب پھر چار کا کانٹا نکال کر کیوں باہر آ گئے۔"

عین اسی وقت دروازے پر کھٹکا ہوا...

کھٹکا پروگرام

راجی دادا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا... پھر سخت آواز میں بولا:

"باہر کون ہے؟"

"بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"ایک منٹ..." اس نے کہا اور اٹھ کر دروازے تک گیا... پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا... لیکن باہر کوئی بھی نہیں تھا... اس نے برآمدے میں دونوں طرف دور تک دیکھا... کوئی نظر نہ آیا... آخر اس نے دروازہ بند کر دیا اور ان کی طرف مڑا:

"باہر کوئی نہیں ہے... لیکن کھٹکا ضرور ہوا تھا۔"

"ہاں! ہم نے بھی سنا تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"خیر دیکھا جائے گا..." اس نے کہا اور پھر ان کے پاس بیٹھ گیا...

"ہاں! تو میں کیا کہہ رہا تھا۔"

"یہ کہ آپ جیل والا کام خود کرنے گئے تھے۔"

"ہاں! اور تم نے پوچھا تھا... کہ میں صرف چار کو ختم کر کے کیوں آ گیا... تو میں نے ایسا اپنی مرضی سے نہیں کیا... جو لوگ مجھ سے یہ کام لے رہے ہیں... انھوں نے ہی ایسا کرنے کے لیے کہا ہے... ہو گی ان کی کوئی سوچ... اب پندرہ دن بعد پھر سلسلہ شروع ہو گا اور بقیہ گیارہ آدمی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے گلے پر انگلی پھیر کر اشارہ کیا۔

عین اسی وقت بالکل ویسا ہی کھٹکا پھر ہوا... اس بار راجی دادا اچھل پڑا... اس کی آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی، وہ یک دم دروازے کی طرف لپکا اور کھولتے ہی باہر نکل گیا... وہ دھک سے رہ گیا... باہر کوئی نہیں تھا:

"یہ آج کیا ہو رہا ہے... باہر کوئی دروازے سے لگ کر ہماری باتیں سننے کی کوشش کر رہا ہے... لیکن وہ چھپ کہاں جاتا ہے۔"

"یہ ہوٹل ہمارا نہیں... آپ کا ہے۔"

"ہاں! میں اس کا سراغ لگا کر رہوں گا... آپ سے معاملہ طے ہو چکا ہے... آپ فکر نہ کریں... کل کا سورج اس شخص کی لاش دیکھے گا... میں ذرا اس جاسوس کا سراغ

لگا لوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ باہر نکل گیا...
انسپکٹر جمشید نے دروازہ بند کر لیا اور ان کی طرف
مڑے:
"یہ کھٹکے والی بات سمجھ میں نہیں آئی۔"
"ہو سکتا ہے... راجی دادا کا تو کوئی آدمی اسے اشارہ
دے رہا ہو۔" فرزانہ نے سرگوشی کی۔
"پھر بھی الجھن تو پیدا ہو گئی ہے نا۔"
"اور اس مرتبہ شاید راجی دادا نے بھی یہ محسوس کر لیا
کہ اس کا کوئی آدمی اسے باہر بلا رہا ہے۔" محمود نے کہا۔
"لیکن باہر بلانے کے لیے اس قدر پراسرار طریقہ اختیار
کرنے کی کیا ضرورت تھی... وہ آ کر صرف اتنا کہہ دیتا کہ
اس سے کسی کو فوری کام ہے۔" فاروق بولا۔
"ہاں بھئی... فاروق ٹھیک کہتا ہے... کھٹکے کا معاملہ
کچھ اور ہی ہے۔"
"تو ہم باہر نکل کر سن گن لینے کی کوشش کیوں نہ کریں۔"
"اوہ... اوہ۔" فرزانہ زور سے اچھلی... پھر جلدی سے
اٹھی اور دروازے پر آئی... اس نے دروازہ کھولا...
باہر ایک نظر ڈالی اور چٹخنی لگا دی... پھر ان سے اندرونی
کمرے میں چلنے کے لیے کہا... اس کمرے کا دروازہ بند

کرنے کے بعد اس نے دروازے کے ساتھ دیوار سے لگ
کر دبی آواز میں کہا:
"یہی ان کی چال ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہم انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق
اور فرزانہ ہیں یا نہیں... یہ کھٹکا پروگرام کا ایک حصہ تھا،
اب اگر ہم باہر نکل کر سن گن لینے کی کوشش شروع کر
دیتے ہیں تو وہ فوراً سمجھ جائیں گے کہ ہم کون ہیں۔"
"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے۔
"بہت خوب فرزانہ... لیکن اس صورت میں تو ہمیں اس
کمرے میں بھی نہیں رہنا چاہیے... بیرونی کمرے میں بیٹھ کر
ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہنا چاہیے... اور پھر کھانے
دانے کا پروگرام بنا کر کچھ دیر بعد سیدھا نیچے چلے جانا
چاہیے۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔
"ہوں... بہت بہت شکریہ۔" فاروق نے خوش ہو
کر کہا۔
"شکریہ کس بات کا؟" انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔
"اس بات کا کہ آپ ہمیں ادھر اُدھر کی باتیں کرنے
کی اجازت دے رہے ہیں... بہت دن ہو گئے تھے، ادھر

اُدھر کی باتیں کیسے ہوئے... نہ جانے بے چاری اِدھر اُدھر کی باتیں کیا سوچتی ہوں گی۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"لیجیے... اب اِدھر اُدھر کی باتیں بھی سوچنے لگیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"بھئی... سوچنے کا کیا ہے... سوچنے کو تو کوئی بھی چیز سوچ سکتی ہے... کیا تم نے کسی شاعر کا وہ شعر نہیں سنا۔" فاروق کے لہجے میں بلا کی شوخی تھی۔

"آواز ذرا آہستہ رکھو... دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ایک تو ابا جان میں دیواروں کے ان کانوں سے بہت تنگ آیا ہوں۔"

"اب کیا کیا جائے... تم کس کس دیوار کے کان اکھیڑو گے۔" انسپکٹر جمشید نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"ہاں! یہ تو ہے... خیر اس کے بغیر ہی کام چلا لوں گا... آپ پریشان نہ ہوں۔" فاروق بولا۔

"پریشان اور میں... نہیں تو... میں تو پُرسکون ہوں، مطمئن ہوں۔"

"یہ بھی آپ کا کمال ہے... ہر حالت میں پُرسکون رہتے ہیں۔"

"کیا کیا جاتے بھئی... مجبوری ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیجیے... اب اس میں بھی کوئی مجبوری آ گھسی۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"وہ تم کسی شاعر کے کسی شعر کی بات کر رہے تھے۔" فرزانہ نے یاد دلایا۔

"اوہ ہاں... وہ سوچنے پر بات ہو رہی تھی کہ سوچنے کو تو ہر چیز سوچ سکتی ہے... جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔

مدتیں گزریں رفیقو گھر چلیں
سوچتے ہوں گے در و دیوار کیا۔"

"واہ بہت خوب... اچھا شعر ہے۔" محمود بولا۔

"اس لیے کہ میرا نہیں... کسی شاعر کا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"میرا خیال ہے... ہم کچھ زیادہ ہی اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے ہیں... کیوں نہ اب کھانے کے لیے نیچے چلیں۔" محمود نے کہا۔

"اور پھر ذرا شہر کی سیر بھی تو کریں گے... آخر ہم..." فرزانہ کہتے کہتے رک گئی۔

"بالکل ٹھیک... آج میں تمھیں شہر کی سیر بھی کراؤں گا... آؤ۔"

وہ اٹھ کر نیچے آ گئے... برامدے میں انھوں نے ادھر اُدھر دیکھنے کی بالکل کوشش نہیں کی تھی... انھوں نے نہایت سکون سے کھانا کھایا... پھر باہر نکل کر ایک سمت میں روانہ ہو گئے۔ جلد ہی انھیں ایک ٹیکسی مل گئی...

"فی الحال سیدھے چلتے رہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی اچھا!" ڈرائیور نے کہا۔

"غالباً پہلے آپ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ..." فاروق نے کہنا چاہا۔

"ہاں! تم ٹھیک سمجھے۔" وہ جلدی سے بولے... شاید ڈرائیور کے سامنے بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔

فوراً ہی انھیں احساس ہو گیا کہ تعاقب ہو رہا ہے۔

"ہوں... ڈرائیور... شاہی قلعہ چلو۔"

"جی اچھا۔" اس نے کہا۔

انھوں نے کچھ دیر شاہی قلعے کی سیر کی... باہر نکل کر پھر ایک ٹیکسی روکی... اور روانہ ہوئے:

"فی الحال آپ سیدھے چلیں۔"

"سیدھے... کیا مطلب؟"

"بھئی تم سیدھے کا مطلب نہیں سمجھتے..." فاروق نے جھنجھلا کر کہا۔

"آپ کا مطلب ہے... میں اس سڑک پر سامنے چلتا ہوں۔" ڈرائیور نے منہ بنایا۔

"ہاں جناب یہی کر لیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ٹیکسی چل پڑی... تعاقب جاری تھا...

"یوں تو بات نہیں بنے گی۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"تو پھر... کیا کیا جائے۔"

"ترکیب سمجھ میں آ گئی... ڈرائیور... ارجن روڈ چلو۔"

"او کے سر۔" اس نے کہا۔

ارجن روڈ پر وہ ایک کوٹھی کے سامنے رُکے... یہ ان کے ایک دیرینہ دوست کی کوٹھی تھی... انسپکٹر جمشید نے ٹیکسی ڈرائیور کو فارغ کر دیا... اور خود آگے بڑھ کر گھنٹی بجائی۔ جلد ہی ان کا دوست باہر آیا... اور بولا:

"فرمائیے... آپ کو کس سے ملنا ہے۔"

"آپ سے۔"

"مجھ سے... آپ لوگوں کی تعریف۔"

"تعریف اس خدا کی... جس نے جہاں بنایا۔"

"کیا مطلب..." وہ چونکا۔

"مطلب کس بات کا پوچھا آپ نے۔"

"یہ... یہ آواز تو... میرا خیال ہے... آپ اندر آ جائیں،"

اندر بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔"

"عقل مند ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ارے باپ رے۔" دوست نے گھبرا کر کہا۔

"زیادہ گھبراہٹ نہ ظاہر کرو... ہمارا تعاقب ہو رہا ہے۔"

"وہ تو میں سمجھ چکا ہوں۔"

دوست انہیں اندر لے آیا...

"ہم دراصل تعاقب کرنے والوں سے پیچھا چھڑانا چاہتے تھے، لہٰذا آپ کی کوٹھی کا خیال آ گیا... کہ ایسے موقعوں پر ہم آپ کی کوٹھی ہی تو استعمال کیا کرتے ہیں... اب کسی کو کیا پتا کہ اس کوٹھی کا ایک دوسرا دروازہ بالکل دوسری سڑک پر نکلتا ہے... تعاقب کرنے والے بے چارے باہر کھڑے ہو کے رہ جاتے ہیں... لیکن ساتھ ہی آپ سے ایک درخواست ہے۔"

"درخواست اور مجھ سے! یہ آپ کیا کہ رہے ہیں... حکم کریں حکم۔" دوست ہنسا۔

"ہم آج کل ملک میں نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب... میرے سامنے تو بیٹھے ہیں۔"

"ذرا جلدی سے سمجھ جائیں... وقت ہمارے پاس کم ہے۔"

"لیکن کیا سمجھ جاؤں۔"

ہم آج کل ملک میں نہیں ہیں... کسی سے ذکر نہ کر بیٹھیے کہ ہم آپ کے ہاں آئے تھے۔"

"اوہ! اب سمجھا۔"

"شکریہ... آپ اب سمجھ تو گئے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"اب ہمیں دوسرے دروازے تک پہنچا دیں... اور ہو سکے تو ان تعاقب کرنے والوں کی تصاویر لے لیں... تصاویر میں پھر آپ سے کسی وقت لے لوں گا... وہ ضرور اب گاڑی سے اتر کر ادھر اُدھر ٹہلنے کی ایکٹنگ کریں گے... اگر نزدیک آ جائیں تو تصاویر لی جا سکیں گی... لیکن انہیں قطعاً شک نہ ہو... اگر شک ہونے کا امکان ہو تو پھر تصاویر ہرگز نہ لیں... اس صورت میں صرف ان کے حلیے نوٹ کر لیں... آپ حلیے نوٹ کر سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید جلدی جلدی کہتے چلے گئے۔

"کیوں! حلیے نوٹ کرنا بھی کوئی مشکل کام ہے۔"

"بعض آسان کام بھی بعض لوگوں کے لیے مشکل ہوتے ہیں... اور بعض مشکل کام بھی بعض لوگوں کے لیے آسان ہوتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"کیا بعض بعض لگا رکھی ہے۔" محمود نے اسے گھورا۔

"تو پھر کیا لگا رکھوں؟" فاروق نے پوچھا۔

"کچھ نہیں... اس وقت ہم بہت سنجیدہ ہیں۔"

"سنجیدگی کی اس وقت ضرورت آ پڑی؟"

"اچھا بس..." انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

دوسرے دروازے سے نکل کر وہ ایک اور دوست کے گھر پہنچے... دوست بھلا انھیں کس طرح پہچان سکتا تھا، حیران ہو کر بولا:

"آپ کون لوگ ہیں؟"

"آپ کی موت کا پیغام لے کر آئے ہیں؟"

"م... میری موت کا پیغام... ارے باپ رے... گ... کیا آپ قاتل قسم کے لوگ ہیں۔"

"ہیں تو نہیں... مجبوراً بن گئے ہیں۔"

"خ... خدا کے لیے... میرا دل بہت کمزور ہے۔"

"جھوٹ کب سے شروع کر دیا..." انسپکٹر جمشید نے اپنی آواز میں کہا۔

"ہائیں... جمشید... یہ تم ہو؟"

"بالکل! خالد عزیز میرے دوست یہ میں ہوں... اور یہ محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔"

"اوہ... اوہ... اوہ۔"

"بھئی... تینوں کے حصے کی ایک ایک اوہ۔" فاروق بول اٹھا۔

"اب یقین آگیا... یہ حضرت فاروق ہی ہیں۔"

وہ انھیں اندر لے آیا...

"ہاں! تو وہ کمزور دل والی کیا بات تھی؟"

"اگر تمھارا دل کمزور ہوتا تو ہم آج یہاں نہ آتے، بلکہ کسی اور کے گھر میں جاتے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"تمھیں قتل کرانے کے لیے میں نے ایک شخص کو پانچ لاکھ روپے دیے ہیں۔"

"ارے باپ رے... یہ آج تم کس قسم کی باتیں کر رہے ہو۔"

"مجبوری ہے... انکل عزیز... آج ہم اسی قسم کی باتیں کر سکتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"لیکن میں کیا کروں... میرے پلے تو یہ باتیں نہیں پڑی ہیں۔"

"اس کی ضرورت بھی نہیں کہ آپ ہماری باتیں پلے باندھتے پھریں... بس ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے

نکالتے چلے جائیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے... باتیں تو ہیں میرے قتل کی۔
دوسرے کان سے نکالتا کیسے چلا جاؤں۔"

"واقعی! یہ آپ نہیں کر سکتے... فاروق کی بات بالکل ٹھیک
ہے۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن تم دانت کس خوشی میں نکال رہے ہو۔" فاروق
نے جل کر کہا۔

"بھئی دانتوں کا کیا ہے... یہ تو کسی بھی خوشی میں
نکل پڑتے ہیں۔"

"کہیں بالکل ہی نہ نکل پڑیں۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"میں بہت بے چین ہوں۔" خالد عزیز نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! میں وکالت کرتا ہوں... ہم نے کرائے کے ایک
بہت بڑے اور مشہور قاتل کو تمہیں قتل کروانے کے لیے
صرف پانچ لاکھ روپے کا چیک دیا ہے... وہ چیک پہلے
کیش کرایا جائے گا... اس کے بعد قاتل آج رات حرکت
میں آئے گا... تمہارا پتا اور تمہاری تصویر انھیں دے
دی گئی ہے۔"

"یہ باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔" اس نے سر ہلا کر کہا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ کرائے کا وہ قاتل اس قدر

ضروری ہے کہ اسے قانون کے شکنجے میں نہیں رکھا جا سکتا،
چند دنوں کے لیے جیل جاتا ہے... لیکن کوئی طاقت اسے
پھر باہر نکلوا لیتی ہے... میں چاہتا ہوں... اس بار وہ
اس طرح جیل جائے کہ پھر نہ نکل سکے۔"

"تو اس کے لیے مجھے قتل کروانا ضروری تھا۔" اس
نے بوکھلا کر کہا۔

"تمہارے بستر پر فرضی انسان سو رہا ہو گا... قاتل جب
اندر آئیں گے تو ان کی وڈیو فلم بنائی جائے گی... اس طرح
کہ انھیں کانوں کان پتا تک نہ چل سکے گا۔"

"لیکن وہ بڑا آدمی خود تو آئے گا نہیں۔"

"کوئی بات نہیں... جب یہاں آنے والے قاتلوں کو
عدالت میں پیش کیا جائے گا، اور انھیں سچ اگلنے پر
مجبور کیا جائے گا، تو پھر وہ بڑا آدمی بھی عدالت میں
آئے گا... میرا منصوبہ کچا نہیں جو کہ وہ بچ جائے...
میں نے ساری پلاننگ کر رکھی ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر ٹھیک ہے... مجھے کیا اعتراض
ہو سکتا ہے۔"

"لیکن ایک بات نوٹ کر لو۔"

"اور وہ کیا؟" خالد عزیز نے فوراً کہا۔

"یہ کہ ہم ان دنوں ملک میں نہیں ہیں ... ہمیں ملک بدر کر دیا گیا ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"بات یہی ہے ... ملک کے صدر نے ہمیں ملک بدر کر دیا تھا ... اور ایسا اس کرائے کے قاتل کو بچانے کے لیے کیا گیا ہے ... لیکن میں اسے نہیں چھوڑوں گا ... اس کی زندگی اب جیل میں ہی کٹے گی اور وہ جیل سے نہیں نکل سکے گا۔"

"بہت خوب ... تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمھارے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتاؤں۔"

"ہاں بس ... میں یہی چاہتا ہوں ... اب ہم تمھاری گاڑی میں کچھ سامان خریدنے جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔"

"ابا جان ... یہ بھی تو ہو سکتا ہے ... کرشن گن لینے کے لیے یا دیکھنے کے لیے قاتل بھی وقت سے پہلے ادھر کا رخ کریں ... اور ہمیں دیکھ لیں۔"

"اسی لیے تو خالد عزیز کا انتخاب کیا گیا ہے ... اس گھر سے خفیہ طور پر نکلنا اور یہاں آنا بہت آسان کام ہے۔" انھوں نے کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا ... کیوں کہ یہ بات انھیں بھی نہیں معلوم تھی۔

وہ بازار میں دو گھنٹے تک ضروری چیزیں خریدتے رہے، پھر واپس خالد عزیز کے ہاں آ گئے ... اور اپنی تیاریوں میں لگ گئے ... اب خالد عزیز کے گھر میں انھوں نے تیاریاں شروع کر دیں ... ان تیاریوں میں بھی انھیں کئی گھنٹے لگے ... پھر انھوں نے رات کا کھانا کھایا ... اب انھیں قاتلوں کے انتظار کے سوا کوئی کام نہیں تھا ...

"یہ جو انتظار ہے نا ... یہ کاٹے نہیں کٹتا ..." فرزانہ نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

"کیا مطلب ... انتظار کاٹے نہیں کٹتا ... یا وقت؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"میرا مطلب ہے ... انتظار کا وقت۔" فرزانہ نے کہا۔

"لیکن اس میں بھی ایک مزا ہے ... بلکہ یوں کہہ لو ... کہ ایک عجیب مزا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"تمھیں آتا ہو گا عجیب مزا ... مجھے تو عجیب الجھن ہوئی ہے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"اور میں غریب الجھن محسوس کرنے لگتا ہوں۔"

"دیکھا تم نے خالد عزیز ... بے چاری الجھن اب امیر

اور عجیب بھی ہونے لگی۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔
"ان کے ہوتے جو نہ ہو جائے... کم ہے۔" خالد عزیز نے ہنس کر کہا۔
"بالکل ٹھیک انکل... یہ کہی ہے کام کی بات۔" فاروق نے فوراً کہا۔
"دیکھا انکل... گویا اس سے پہلے آپ نے کام کی ایک بات بھی نہیں کہی۔" فرزانہ فوراً بولی۔
"مجھے اور انکل کو لڑانے کی ناکام کوشش ہے یہ۔" فاروق مسکرایا۔
"فکر نہ کرو... ہم نہیں لڑیں گے۔" خالد عزیز نے ہنس کر کہا۔
"میرا خیال ہے... اب ہم ریہرسل کر لیں... تاکہ کوئی خامی نہ رہ جائے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔
"ہاں! ٹھیک ہے۔"
انھوں نے پورے پروگرام کی ایک بار ریہرسل کر ڈالی۔
آخر رات کے بارہ بجے دو حملہ آور اندر داخل ہوئے... اندر داخل ہونے کے لیے انھوں نے رسّی کی سیڑھی استعمال کی، چھت سے وہ پھر رسی کی سیڑھی کے ذریعے کوٹھی کے صحن میں اترے... کیوں کہ راستہ بند تھا... ان کے چہروں

پر سر سے پیر تک سیاہ لباس تھا... لیکن جونہی انھوں نے صحن میں قدم رکھے... ان میں سے ایک بولا:
"اوہو! یہ کیا... یہاں تو بہت حبس ہے... شاید گیس کا چولھا غلطی سے اون کر دیا گیا... اور پھر اسے بند نہیں کیا گیا... گیس ہر طرف پھیلی ہوئی ہے... خبردار منجو... سگریٹ سلگانے کے لیے دیا سلائی نہ جلا بیٹھنا... کہیں ہم بھک سے نہ اڑ جائیں... اوہو... میرا تو دم گھٹ رہا ہے... یہ کپڑے... اُف...!" ایک نے اپنے منہ پر سے کپڑا نوچ ڈالا... فوراً دوسرے نے بھی یہی کیا...
"ہمیں آناً فاناً اپنا کام کر کے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"
"پہلے ہم گیس کا چولھا کیوں نہ بند کر دیں... تاکہ اطمینان سے اپنا کام کر سکیں۔"
"اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"
دونوں نے اِدھر اُدھر دیکھا... آخر باورچی خانے میں داخل ہوئے... چولھا واقعی کھلا تھا... اس کو بند کیا... پھر وہاں سے پلٹے اور ایک ایک کمرے میں جھانکتے آخر خالد عزیز کے کمرے میں داخل ہوئے... خالد عزیز بستر پر سو رہا تھا... ایک نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا... دوسرے نے اس کے پیٹ میں پے در پے خنجر کے وار کر دیے... خنجر مارنے

والے کے ہاتھ خون میں لت پت ہو گئے... پھر اس نے کہا:
"آؤ منجو چلیں... کام ہو گیا۔"
"یہ بے چارہ تو آواز تک نہیں نکال سکا... ویسے بھی
دیکھ لو... کہیں ابھی زندہ نہ ہو۔"
"میرے ہاتھ اتنے کچے نہیں ہیں... دل پر وار کیے ہیں...
آؤ چلیں۔"
"استاد راجی دادا کا بھی جواب نہیں... کس قدر زبردست
طریقے سے پورے شہر میں اپنا جال پھیلا رکھا ہے..." دوسرے
نے کہا۔
"نہیں رفو... یہاں باتیں کرنا مناسب نہیں... ابھی ہمیں
باہر بھی نکلنا ہے... کوئی جاگ نہ جائے۔"
"جاگ بھی گیا... تو کیا ہے... ساتھ میں اسے بھی ٹھکانے
لگاتے چلیں گے۔"
دونوں نے باہر کا رخ کیا... ایسے میں ایک آواز ابھری:
"ٹھہرو!"
دونوں بُری طرح اچھلے... ان کے رنگ اڑ گئے... آواز
راجی دادا کی تھی:
"را... راجی دادا آپ۔"
"ہاں! میں... بدبختو... یہ اطمینان کیے بغیر ہی جا رہے ہو

کہ خالد عزیز مر گیا ہے یا نہیں۔"
"میں سو فی صد یقین سے کہہ سکتا ہوں راجی دادا... وہ مر
چکا ہے... مگر آپ کو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔"
"میں بے خبر نہیں رہتا... سائے کی طرح اپنے آدمیوں کی
نگرانی کرتا ہوں... تم اگر یہ غلطی نہ کرتے تو میں کبھی تمھیں نہ
ٹوکتا... جاؤ... جا کر چیک کرو۔"
دونوں تھر تھر کانپتے ہوئے واپس پلٹے... اور کمرۂ واردات
میں آئے... انھوں نے چادر الٹ دی... اور پھر اس بُری طرح
اچھلے کہ آپس میں ٹکرا گئے:
"یہ... یہ کیا... ربڑ کا آدمی۔"
"اُف مالک... تو کیا ہم نے خالد عزیز کی بجائے ربڑ کے
آدمی کو قتل کیا ہے... اس کا مطلب ہے... ہمیں دھوکا دیا
گیا... اس بستر پر خالد عزیز نہیں تھا... گویا خالد عزیز کو
پتا چل گیا تھا... راجی دادا... یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں...
آپ کہاں ہیں۔"
"میں بھی حیران ہوں... آج تک ایسا نہیں ہوا... میں نے
تمھارے ہاتھوں کتنے آدمی قتل کرائے... کرائے یا نہیں۔"
"ہاں راجی دادا... اس میں کیا شک ہے... قتل ہونے والوں
کی تعداد تو ہمیں یاد تک نہیں۔"

"اور وہ سب کے سب قتل بڑے بڑے لوگوں نے مجھ سے
کرائے... انھوں نے بھاری بھاری رقمیں مجھے دیں... یہی وجہ
ہے کہ وہ آج بھی میری مٹھی میں ہیں... میں جس سے چاہتا
ہوں... جو کام چاہتا ہوں... لیتا ہوں... اسی لیے تو مجھے
جیل میں بھی زیادہ دیر نہیں رکھا جا سکتا۔"

"ہاں! استاد یہ بات ٹھیک ہے... لیکن یہ باتیں تو آپ
ہمیں پہلے ہی بتا چکے ہیں... پھر اب بتانے کی کیا ضرورت ہے۔"
منو نے حیران ہو کر کہا۔

"ضرورت ہے... تم نہیں سمجھ گئے۔"

"جی کیا مطلب... ہم کیا نہیں سمجھیں گے؟"

"بھئی... سیدھی سی بات ہے... میں یعنی راجی دادا... بڑے
بڑے لوگوں کے کام آتا ہے... بڑے بڑے لوگ جو حکومت پر
چھائے ہوئے ہیں... لہذا میں تو صدر سے بھی جو کام چاہتا
ہوں... لے سکتا ہوں... تم نے نہیں دیکھا... میرے ایک
اشارے پر... انسپکٹر جمشید اور اس کے بچوں کو ملک بدر کر
دیا گیا... ان کو... جو ملک اور قوم کے لیے جان کی بازی
لگاتے پھرتے ہیں ہر وقت... اور جنھوں نے ملک اور قوم
کے لیے ان گنت قربانیاں دی ہیں... ان جیسوں کو میرے
کہنے پر ملک سے باہر نکال دیا گیا... یہ ہے میرا کمال۔"

"ہاں راجی دادا... لیکن یہ سب باتیں تو آپ ہم سب کو بتا
چکے ہیں... پھر اب کیا ضرورت ہے... بتانے کی۔"

"تم نہیں سمجھ گئے... آج میں ایک خاص بات بتانے والا
ہوں۔" اس نے کہا۔

"لیکن یہاں... یہاں تو ہم خطرے میں ہیں۔"

"کوئی خطرہ نہیں رہا... خالد عزیز تمھیں دھوکا دے سکتا
تھا... مجھے نہیں۔"

"کیا مطلب... کیا آپ نے خالد عزیز کو موت کے گھاٹ اتار
دیا ہے۔"

"بھئی یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔"

"تو پھر پوچھنے کی بات کیا ہے راجی دادا۔"

"یہ پوچھو... میں نے انسپکٹر جمشید کو ملک بدر کیوں کروایا۔"

"تو بتا دیں نا... کیوں کروایا۔"

"جیل کے باقی اُس بارہ آدمیوں کو آسانی سے موت کے
گھاٹ اتروانے کے لیے... اگر وہ ملک میں رہتا تو ہم یہ
کام آسانی سے نہ کر سکتے... اور پھر وہ اس معاملے کی تہ تک
بھی پہنچ جاتا..."

"تہ تک... کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ یہ سب چکر کیا ہے... جیل کے قیدیوں کو

کیوں ہلاک کروایا جا رہا ہے۔"

"تو بتائیں نا... کیوں کروایا جا رہا ہے؟"

"بھئی یہ بات ابھی راز میں رکھنے کی ہے... پھر کسی وقت بتاؤں گا۔"

"تو پھر کیا... اب ہم چلیں؟"

"شاید تمھیں ڈر لگ رہا ہے... خیر... پہلے تو تمھارے ڈر کا علاج کر دوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی پوری کوٹھی میں تیز روشنی پھیل گئی....

توڑ

"یہ... یہ... یہ کیا؟" دونوں نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"یہ روشنی ہے... تم اندھیرے میں تھے نا... اب دیکھو... تمھارے سامنے کون کھڑا ہے؟"

دونوں نے آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹا دیے... اور پھر زور سے اچھلے... ان کے سامنے ایک نوجوان آدمی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"آپ... آپ کون ہیں؟"

"میں ہی تو تم سے اب تک باتیں کرتا رہا ہوں۔" انھوں نے اب بھی راجی دادا کی آواز میں بات کی۔

"کک... کیا؟" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"ہاں! تم جس کام کے لیے یہاں آئے تھے... وہ بھی نہیں کر سکے... اور یہاں جو گفتگو اب تک ہوئی ہے... وہ بھی ریکارڈ ہو چکی ہے۔"

"کیا مطلب؟" منجو نے گھبرا کر کہا۔

"نہ صرف گفتگو ریکارڈ ہو چکی ہے... بلکہ اس ساری کارروائی کی ویڈیو فلم بھی بن چکی ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" روتو پہاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

"کیوں... ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔" فاروق نے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"ارے! یہ کون...؟"

"یہ... یہ میرا بیٹا ہے... تم اپنی فکر کرو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہماری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔"

"اچھا... یہ بات ہے... تو پھر ابھی آ جائے گی... آجاؤ بھئی خالد عزیز... تم بھی سامنے۔"

خالد عزیز اندرونی کمرے سے نکل کر سامنے آ گیا... وہ بُری طرح اچھلے...

"یہی وہ شخص ہیں نا... جنھیں تم قتل کر چکے ہو... دیکھ لو... یہ بھی تمھارے سامنے زندہ سلامت کھڑے ہیں... ہیں نا۔"

"اُف مالک... یہ آج ہمارے سامنے کیا ہو رہا ہے۔" منجو چلّایا۔

"جو آج تک نہیں ہوا ہو گا... اور ابھی کیا ہے... آگے دیکھنا... ہوتا ہے کیا۔" فاروق گنگنایا۔

"تت... تت... تو... تو کیا آپ انسپکٹر..."

"خالد عزیز... ذرا انھیں ان کی ویڈیو فلم دکھا دو... اور گفتگو سنا دو۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا اور فوراً اندر چلے گئے۔

جلد ہی دیوار پر تصویر آنے لگی... انھوں نے خود کو گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا... پھر گیس کی وجہ سے اپنے نقاب نوچتے دیکھا... اور ان کے چہرے بالکل صاف نظر آنے لگے... پھر وہ خالد عزیز کے کمرے میں داخل ہوئے... وہاں بستر پر خالد عزیز سو رہے تھے... ان کا صرف چہرہ نظر آ رہا تھا... انھوں نے خود خالد عزیز کو قتل کرتے دیکھا... اس طرح باقی کارروائی دیکھی... انسپکٹر جمشید نے ان سے راجی دارا کی آواز میں جو بات چیت کی تھی... وہ بھی پوری سنائی دی... آخر میں جب وہ ان کے سامنے ظاہر ہوئے... وہ منظر بھی نظر آیا... اور اس کے بعد فلم ختم ہو گئی...

"فلم ختم ہو گئی... اب تم دونوں کیا کہتے ہو۔"

"سوال یہ ہے کہ جب ہم نے انھیں قتل کر دیا ہے، تو پھر یہ زندہ کس طرح ہیں۔"

"سنو... اور یہ بھی جان لو... کہ یہ گفتگو بھی ریکارڈ ہو رہی ہے۔"

"اوہ!" دونوں کے منہ سے نکلا۔

"میں ہی وہ شخص ہوں... جس نے راجی دادا سے خالد عزیز کے قتل کا سودا کیا تھا... یہ میرے دوست ہیں... میں بھلا انھیں کیوں قتل کرانے لگا... یہ سارا کام تو راجی دادا اور تم لوگوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پھانسنے کا تھا... اس مرتبہ اس قدر مضبوط ثبوت حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے کہ راجی دادا اور اس کے ساتھی تا زندگی جیل سے نہیں نکل سکیں گے... انسپکٹر جمشید کو ملک بدر کرا دینا آسان ہو گا... لیکن اس کی واپسی کو روکنا آسان کام نہیں ہے... راجی دادا نے حکومت کے ذریعے میری واپسی کے تمام دروازے بند کروا دیے تھے... لیکن اس کے باوجود میں یہاں موجود ہوں... اور کسی کو معلوم نہیں کہ میں ملک میں آ چکا ہوں... یہاں تک کہ میرے گھر اور دوستوں تک کو اطلاع نہیں ہے... وہ اسی خیال میں ہیں کہ ہم ملک سے باہر ہیں... راجی دادا بھی اسی خیال میں ہے... حالانکہ میں ہوٹل خاصاں میں اس سے ملاقات بھی کر چکا ہوں... ابھی ہمارے ثبوت کا کچھ حصہ رہتا ہے... پہلے تم بتاؤ... تم سرکاری گواہ بن کر باعزت آزاد زندگی گزارنا پسند کرو گے یا ساری زندگی جیل میں رہنا... یہ خیال کر لو... راجی دادا کا باپ بھی اس مرتبہ بچ نہیں سکتا... نہ وہ تم لوگوں کے لیے کچھ کر سکے گا۔"

"ہم... ہم سوچنا چاہتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے... لیکن میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، اگر تم اس مرحلے پر بھی راجی دادا کا ساتھ ہی دینا پسند کرو گے تو میں نے اس کا بھی توڑ کر رکھا ہے۔"

"توڑ کر رکھا ہے..." ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں! ابھی دکھاتا ہوں توڑ... بھئی... آ جاؤ۔"

"جی... کیا فرمایا ہے... بھئی توڑ..." فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"کیوں! کیا یہ کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے؟" محمود نے جھنجھلا کر کہا۔

"ن... نہیں تو..." فاروق نے گھبرا کر کہا اور فرزانہ ہنس پڑی۔

اسی وقت دو آدمی اندر داخل ہوئے... منجو اور رونو ایک بار پھر زور سے اچھلے... کیوں کہ ان کے سامنے بھی منجو اور رونو کھڑے تھے... بالکل اصلی لگ رہے تھے... ان میں اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا... وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے... آخر منجو نے کہا:

"یہ کیا ہے؟"

"تمھارے ہم شکل... اگر تم نے ہمارا ساتھ نہ دیا تو

پھر یہاں سے تمہارے بجائے یہ دونوں جائیں گے، اور
راجی دادا کو بتائیں گے کہ انھوں نے خالد عزیز کا کام تمام
کر دیا ہے... اور یہ گفتگو بھی ریکارڈ ہو گی... اور ویڈیو
فلم بھی بنے گی۔"

"ن... نہیں..." دونوں نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"بالکل بنے گی... وہاں بھی تمام انتظامات کر لیے گئے
ہیں... اس وقت میری خفیہ فورس پوری کی پوری اس کام
میں لگی ہوئی ہے... راجی دادا کے گرد ایک ایسا جال بُن
دیا گیا ہے کہ اسے کانوں کان خبر نہیں ہو گی اور وہ قابو
میں ہو گا۔"

"ہوں! ان حالات میں ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔"

"عقل مند ہو... لیکن وقت سُن لو... اگر تم نے وہاں
جا کر دھوکا دینے کی کوشش کی تو اس سے پہلے تم دونوں
کے جسم چھلنی ہو جائیں گے... چاروں طرف خفیہ فورس کے
جوان موجود ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے... ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔"

"اچھا تو پھر میں تمھیں سمجھاتا ہوں کہ تمھیں وہاں جا کر
کیا کرنا ہے... اور کیا باتیں کرنی ہیں۔"

اس کے بعد انسپکٹر جمشید بیس منٹ تک انھیں سمجھاتے

رہے... پھر وہ وہاں سے الگ الگ روانہ ہوئے... انسپکٹر
جمشید پہلے اور منجو اور روفو بعد...

کچھ دیر بعد منجو اور روفو ہوٹل خاصان کے اس کمرے
میں پہنچے... جس میں راجی دادا سے ملاقات کی جاتی تھی،
وہ انھیں دیکھتے ہی بولا:

"سناؤ بھتیجو... کیا رہا۔"

"ہم اپنا کام بخیر و خوبی کر آئے ہیں استاد۔"

"بہت خوب! تم میں یہی خوبی ہے... بہت کامیاب لوٹتے
ہو... کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی۔"

"پیش آئے بھی تو کیا ہے... ہم نے آپ کے حکم پر
کتنے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے... اب تو یہ کام
بچوں کا کھیل لگتا ہے... ہم نے سو سو آدمیوں کو تو قتل
کیا ہو گا... اور آپ نے ہر قتل کے بعد ہمیں ہمارا
پورا معاوضہ ادا کیا... اور میں ہی کیا... آپ بہت انصاف
پسند واقع ہوئے ہیں... پوری ایمان داری سے پولیس افسران
کا بھی حصہ نکالتے ہیں... اور ہم خود ہی بنک میں جمع
کراتے ہیں۔"

"یہ تم کیا باتیں لے بیٹھے... اپنے بارے میں میں تم سے
زیادہ جانتا ہوں..." راجی دادا نے قدرے ناخوش گوار انداز

میں کہا۔

"دراصل ہم اس مشکل کا ذکر کرنے لگے تھے... جو آج پیش آئی۔"

"کک... کیا مطلب... ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ..."

"ہم غلط نہیں کہہ رہے تھے... ہم اپنا کام تو کر ہی آئے ہیں... صبح کے اخبارات ہماری بات کی تصدیق کر دیں گے... لیکن اس بار مشکل یہ پیش آئی کہ..." منجو کہتے کہتے رک گیا۔

"کہو کہو... رک کیوں گئے۔" اس نے بے چین ہو کر کہا۔

"رک اس لیے گیا ہوں کہ ایک اور بات یاد آگئی ہے۔ بالکل اسی قسم کی مشکل ہمیں اس موقع پر پیش آئی تھی جب آپ نے ہمیں وزیر خارجہ احسان الحق رانی کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا... اور ہم نے اس کا کام تمام کیا تھا لیکن واپسی پر جو مشکل پیش آئی تھی... وہی اس مرتبہ پیش آئی۔"

"آخر... مشکل کیا ہے... اور تم نے وزیر خارجہ احسان الحق کے قتل کے بارے میں تو کسی مشکل کا ذکر نہیں کیا تھا۔" راجی دادا نے کہا۔

"اس وقت ہمیں اس مشکل پر حیرت نہیں ہوئی تھی... اس مرتبہ جب بالکل وہی مشکل پیش آئی تو حیرت اور

خوف کا احساس ہوا... اسی لیے آپ کو بتا رہے ہیں۔"

"تو پھر بتاؤ نا۔" راجی دادا نے جھلا کر کہا۔

"ہم نے اس وقت یہ بات محسوس کی تھی کہ ہماری تصاویر لے لی گئی ہیں... اور اس مرتبہ بھی ہم نے یہی محسوس کیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" راجی دادا اچھلا۔

"وہاں... کوئی شخص موجود تھا... جس نے ہمیں واردات کرتے دیکھ لیا تھا... اس نے ہماری تصاویر لے لی ہیں۔"

"یہ... یہ تم کیا غضب کر آئے ہو۔"

"اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں استاد..." دوفو فوراً بولا۔

"لیکن تم بہت بڑا خطرہ تو مول لے آئے ہو... اب اس کا ایک ہی حل ہے..." راجی دادا نے سرد آواز میں کہا۔

"وہ... وہ... وہ کیا استاد۔" منجو نے گھبرا کر کہا۔

"یہ کہ تم دونوں کو دوسری دنیا کے سفر پر روانہ کر دیا جائے... نہ ہو گا بانس نہ بجے گی بانسری... عدالت میں بیان تو تم دونوں کا ہی لیا جائے گا... لیکن جب تم ہی نہیں ہو گے... تو بیان کہاں سے ہو گا۔" راجی دادا نے کہا۔

"ن... نہیں... نہیں باس... ہم تو آپ کے بہت وفادار ساتھی ہیں... ہم نے آپ کے حکم پر کتنے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔"

"یہ سب باتیں بالکل درست ہیں... اور اس کا انعام میں تم لوگوں کو دوں گا۔"

"جی... کیا مطلب؟" روفو نے حیران ہو کر کہا۔

"تم دونوں کو بہت ہی آسان موت ماروں گا... اور یہ کوئی کم انعام نہیں ہے... پوٹاشیم سائنائیڈ جسم میں داخل کر دوں گا... تم چند ہی سیکنڈ میں مر جاؤ گے... اس سے زیادہ آسان موت بھلا کیا ہو گی... کیوں... کیا خیال ہے؟" راجی دادا نے کہا۔

"ن... نہیں... استاد... ذرا سوچیے۔"

"بھئی... اتنے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے... اور آج خود موت سے ڈر رہے ہو۔"

"موت چیز ہی ایسی ہے استاد۔"

"نہیں... تم فکر نہ کرو... بہت خوب صورت چیز ہے موت۔"

یہ کہہ کر اس نے تالی بجائی... فوراً ہی دو جلاد قسم

کے آدمی اندر داخل ہوئے:

"پوٹاشیم سائنائیڈ کی دو سوئیاں لے آؤ بھئی۔" راجی دادا بولا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں استاد..." منجو گڑگڑایا۔

"خاموش رہو منجو... موت کے وقت روتے نہیں... بُری بات ہے۔"

"استاد..." روفو چلایا۔

"میں نے کہا نا... شور نہ کرو۔"

عین اسی وقت دونوں جلاد اندر داخل ہوئے... ان دونوں کے ہاتھوں میں ایک ایک سوئی تھی... وہ منجو اور روفو کی طرف بڑھے...

"ن... نہیں... نہیں..."

اور اسی وقت گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا...

"خبردار... یہ دونوں بچ کر نہ جانے پائیں... ورنہ میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔"

"بے وقوف کہیں کا تو پھر بھی نہیں رہے گا۔" فاروق نے بدلی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ... یہ... یہ کون بولا تھا؟"

جواب میں کوئی آواز سنائی نہ دی... آخر پانچ منٹ

بعد روشنی کی جا سکی ... لیکن وہاں منجو اور روفو غائب
تھے ...

"ان دونوں کو تلاش کرو ... اگر وہ نکل گئے تو میں تم
سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا ..." اس نے چیخ
کر کہا۔

"فکر کی ضرورت نہیں مسٹر راجی دادا۔" اسی وقت ایک
آواز ابھری ...

رنگ میں بھنگ

"یہ ... یہ کون بولا تھا۔" راجی دادا نے چیخ کر کہا۔

"یہ وہی بولا تھا ... جسے تم نے ملک بدر کرا دیا ہے۔"

"کیا مطلب ... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"پتا نہیں ... یہ کیسے ہو سکتا ہے ... لیکن یہ ہو چکا ہے۔"

"سامنے آ کر بات کرو۔" راجی دادا غرایا۔

"اگر تمہاری یہی خواہش ہے ... تو میں آ جاتا ہوں۔"

دوسرے ہی لمحے اوٹ سے نکل کر وہ چاروں اس کے
سامنے آ کھڑے ہوئے ... وہ اب بھی میک اپ میں تھے۔

"تت ... تم ... تم کون ہو۔"

"انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ ہی ہیں ... لیکن ہم
میک اپ میں ہیں۔"

"تو منجو اور روفو کو تم نے غائب کرایا ہے۔"

"اس بات کو چھوڑو ... اور یہ بتاؤ ... اب کیا پروگرام ہے۔"

"کس پروگرام کی بات کر رہے ہو؟"

"یہی کہ باقی دس آدمیوں کی... ان لوگوں کو کس کے حکم پر قتل کرا رہے ہو..." انھوں نے منہ بنا کر پوچھا۔

"یہ تو میں ہرگز نہیں بتا سکوں گا... ارے... مم... مگر... تم ملک میں داخل ہوئے کس طرح؟"

"جادو کے زور سے... دراصل انکل پاجی دادا... ہم آج کل جادو کی تربیت لے رہے ہیں... لیکن کہیں تم غلط نہ سمجھ بیٹھنا... میں اس جادو کی بات نہیں کر رہا... جو حرام ہے، میں تو اس جادو کی بات کر رہا ہوں" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"خیر تو ہے... تمھاری زبان کی گاڑی کو بریک لگ گیا؟" انسپکٹر جمشید نے بڑا سا منہ بنایا۔

"جی بس... کبھی کبھی بریک بھی لگ ہی جاتا ہے... ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ میں تو اس جادو کی بات کر رہا ہوں جو سر چڑھ کر بولتا ہے... آپ نے یہ ضرب المثل تو سنی ہی ہو گی... جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔"

"دھت تیرے کی..." محمود نے جھلا کر کہا۔

"کیوں بھائی... تمھیں کیا ہوا۔" فاروق اس کی طرف مڑا۔

"میں اوٹ پٹانگ باتیں پسند نہیں کرتا۔" راجی دادا نے چلا کر کہا... پھر چونک کر بولا:

"ارے! تم نے مجھے کیا کہا تھا... پاجی دادا۔"

"اوہ! وہ تو زبان پھسل گئی ہو گی... میں معافی چاہتا ہوں۔"

"ہم کام کی بات کر رہے تھے... تم نے بے کام کی شروع کر دی۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"جیل کے پندرہ قیدیوں کے سروں کی قیمت میں وصول کر چکا ہوں... جن لوگوں نے قیمت ادا کی ہے... وہ ان لوگوں کو کیوں قتل کرانا چاہتے ہیں... یہ میں نہیں جانتا... اس حد تک مجھے نہیں بتایا جاتا..."

"اچھا چلو... اتنا بتا دو... ان پندرہ آدمیوں کو کوئی ایک شخص ہلاک کرنا چاہتے ہیں... یا ایک سے زائد۔"

"مجھ سے بات صرف ایک آدمی نے کی تھی... اسی نے رقم ادا کی تھی۔"

"اور وہ کون ہے؟"

"میں نہیں جانتا... اگر جانتا ہوتا تو بھی نہ بتاتا... کیونکہ میرے پیشے میں راز داری پہلی شرط ہے۔"

"یہ تو خیر نہیں ہو سکتا کہ کوئی اصل شکل میں آکر تم سے بات کرے، اور تم نہ جانتے ہو... ہاں کوئی میک اپ میں آکر سودا کرے تو وہ اور بات ہے۔"

"کیا مطلب... آخر تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہ کہ تم اس شخص یا ان لوگوں سے واقف ہو... جو جیل کے پندرہ قیدیوں کو ہلاک کروانا چاہتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے... یہ بات ہو... لیکن میں بتاؤں گا نہیں... اور تم مجھ پر کوئی سختی بھی نہیں کر سکو گے۔" اس نے غرا کر کہا۔

"کیسے نہیں کر سکوں گا... لے چلو بھئی... اسے۔" انسپکٹر جمشید نے غرا کر کہا۔

"کیا کہا... لے چلو... کس میں جرأت ہے... جو مجھے لے چلے، وہ بھی میرے اپنے ہوٹل سے۔" اس نے چیخ کر کہا۔

"میں لے کر جاؤں گا... تمہیں یہاں سے۔" وہ بولے۔

"انسپکٹر جمشید... تم میری طاقت سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہو... پھر بھی میرے معاملات میں ٹانگ اڑا رہے ہو۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"تم میرے ملک کے معاملات میں ٹانگ اڑاؤ اور میں تمہارے معاملات میں ٹانگ نہ اڑاؤں۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"میں صرف ایک فون صدر صاحب کو کروں گا... اور تمہارا بندوبست ہو جائے گا۔"

"یہ مہلت بھی تمہیں دی جائے گی... فکر نہ کرو۔"

"تو پھر ہمیں یہ مہلت کیوں نہیں دے دیتے۔" وہ ہنسا۔

"یہاں پورے ہوٹل کے ملازمین کے سامنے تم وہ ثبوت اپنی آنکھوں سے دیکھنا پسند نہیں کرو گے... جو میں نے تمہارے خلاف جمع کیے ہیں... ویسے مجھے تو کوئی اعتراض نہیں... بے شک یہیں سے صدر صاحب کو فون کر دو۔"

"کیا مطلب... کیسے ثبوت۔"

"یہ تو دیکھ کر ہی پتا چلے گا۔"

"اچھی بات ہے... چلو کہاں چلنا ہے..." یہ کہہ کر وہ اپنے آدمیوں کی طرف مڑا۔

"اگر میں دو گھنٹے تک واپس نہ لوٹوں تو صدر صاحب کو فون کر دینا کہ مجھے انسپکٹر جمشید یہاں سے لے کر گئے تھے۔"

"او کے سر۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

"لیکن باس! آپ ان کے ساتھ کیوں جا رہے ہیں... یہاں یہ چار ہی تو ہیں... ان کی چٹنی بنانا کیا مشکل کام ہے۔"

"کیا مطلب... ابھی انسپکٹر جمشید نے کہا نہیں تھا... لے چلو بھئی اسے... کیا یہ بغیر کسی آدمی کے ہی یہ جملہ بول سکتے ہیں۔"

"لیکن ہمیں کوئی بھی نظر نہیں آ رہا۔"

"بہت خوب اب تو یہ گیدڑ بھبکی دے رہے تھے... پکڑ لو انھیں۔"

"زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں... اپنے چاروں طرف غور سے دیکھ لو۔"

انھوں نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا... اور پھر دھک سے رہ گئے... مختلف کونوں سے جدید رائفلیں جھانک رہی تھیں اور وہ سب زد پر تھے:

"اب کیا خیال ہے؟"

"میں چلتا ہوں اور دیکھوں گا کہ تم میرا کیا بگاڑ لیتے ہو... بس تم مجھے ایک فون کرنے کی اجازت دے دینا۔"

"یہ اجازت تمھیں ضرور دی جائے گی... فکر نہ کرو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اور وہ اسے لے کر وہاں سے رخصت ہوئے... سیدھے اپنے خفیہ ٹھکانے پر آئے... وہاں پہنچتے ہی انسپکٹر جمشید نے فون اس کے سامنے رکھ دیا:

"اب جس جس کو فون کرنا ہے... کر لو... میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالوں گا۔"

اس نے فون پر اس طرح جھپٹا مارا... جیسے بلی چوہے کو دبوچتی ہے... جلدی جلدی نمبر ملائے اور پھر سلسلہ ملنے پر وہ بولا:

"میں راجی داوا بات کر رہا ہوں سر... اس وقت میں

انسپکٹر جمشید کے قبضے میں ہوں... کیا آپ میری مدد کر سکتے ہیں؟"

"انسپکٹر جمشید... یہ تم کیا کر رہے ہو بھئی... انسپکٹر جمشید بھلا یہاں کہاں۔" سیٹ کی آواز پورے کمرے میں گونجی۔

"وہ ملک میں ہی ہے... اور اس وقت میں اس کے قبضے میں ہوں۔"

"تم کہاں سے بات کر رہے ہو؟" صدر صاحب بولے۔

"میں کہاں سے بات کر رہا ہوں جناب...؟" انسپکٹر جمشید کی طرف مڑا۔

انسپکٹر جمشید نے اسے جگہ کے بارے میں بتا دیا۔

"ہیلو سر... پتا نوٹ کر لیں..." یہ کہہ کر اس نے پتا لکھوا دیا...

"ریسیور انسپکٹر جمشید کو دو۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور ریسیور ان کی طرف بڑھا دیا۔

"ہیلو جمشید... ہاں تم واپس کس طرح آ گئے؟"

"جی... سمندر کے راستے۔"

"میرے اس قدر واضح حکم کے بعد بھی تم ملک میں داخل ہو گئے... مجھے تم سے یہ اُمید نہیں تھی۔"

"جب ملک خطرے میں ہو اور ملک کے دشمن ملک کے سچے خیر خواہوں کو ملک بدر کرا دیں... تو ایسے میں ملک کے خیر خواہوں

کو کیا کرنا چاہیے... یہ آپ بتا دیں... میرے ذہن کے مطابق تو اپنی جانوں کی پروا کیے بغیر ملک کو بچانا چاہیے... اگر ایسے شخص کو کچھ اور کرنا چاہیے تو وہ آپ بتا دیں۔"

"کیا کہا... ملک خطرے میں ہے۔" صدر صاحب نے چونک کر کہا۔

"جی ہاں! اگر جیل میں باقی دس آدمی بھی مارے گئے تو پورے ملک کی تباہی یقینی ہو جائے گی۔"

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے... یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو۔" صدر صاحب نے چیخ کر کہا۔

"میں نے آپ کی بات کا برا نہیں مانا... غصے میں آدمی ایسے الفاظ کہہ جاتا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پُرسکون آواز منہ سے نکالی۔

"تم فوراً میرے پاس آؤ۔" انھوں نے کہا۔

"نہیں سر... مجھے ملک بدر کیا ہوا ہے... مجھے جہاں بھی دیکھ لیا جائے گا... گولی مار دی جائے گی... اور پھر جو باتیں میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں... وہ نہ تو فون پر بتا سکتا ہوں... نہ ایوانِ صدر میں آکر بتا سکتا ہوں... ایوانِ صدر کی دیواروں کے کان بہت کچے ہیں... بات فوراً ملک کے غداروں تک پہنچ جائے گی۔"

"اچھی بات ہے... میں آ رہا ہوں۔"

"لیکن آپ بالکل تنہا آئیے گا... یا کم از کم حفاظتی دستہ آپ میرے اس خفیہ ٹھکانے سے دور رکھیے گا... ورنہ بات نہیں ہو سکے گی۔"

"میرے خفیہ ٹھکانے... کیا مطلب... کیا یہ تمھارا کوئی ذاتی ٹھکانا ہے۔"

"ہاں جنابِ عالی! بالکل میرا ذاتی... میں اس قسم کے کام اپنے پلّے سے خرچ کر کے کرتا ہوں... حکومت کے کندھوں پر بندوق رکھ کر نہیں چلاتا۔"

"میں آ رہا ہوں... صرف پندرہ منٹ کے اندر۔"

"ضرور... کیوں نہیں۔"

ٹھیک پندرہ منٹ بعد صدر صاحب اکیلے عمارت کی طرف آتے نظر آئے... یہ عمارت شہر سے ہٹ کر جنگل میں واقع تھی... اور اس کے رازوں سے صرف وہی چاروں واقف تھے۔

"ہاں جمشید... اب بتاؤ... کیا بتانا چاہتے ہو۔"

"آپ پہلے راجی دادا کی بات سن لیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"راجی دادا... کو چھوڑ دو... تم اسے قید میں نہیں رکھ سکتے۔"

"اور نہ سرکاری جیل اسے اپنے اندر رکھ سکتی ہے۔" انسپکٹر

جمشید بولے۔

"ہاں! بالکل۔"

"لیکن کیوں... کیا یہ شخص قانون سے بالا ہے۔"

"ہاں! ہے..."

"آخر کیسے... قانون سے بالا تو آپ بھی نہیں ہیں۔"

"میں بے شک نہیں ہوں... لیکن یہ ضرور ہے۔"

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید دھک سے رہ گئے۔

"بس ہے... تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکو گے۔"

"کن باتوں کو سر... آپ مجھے یہ تو بتا ہی سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ملکی سیاست کی باتوں کو... لیکن بین الاقوامی سیاست کی باتوں کو... ہمارے ملک کے پڑوسی ملکوں سے کیا معاملات ہیں، خاص طور پر نزدیکی دو ملکوں سے اور انشارجہ سے... وغیرہ وغیرہ..." صدر صاحب نے کہا۔

"ہو سکتا ہے... میں یہ سب باتیں نہ جانتا ہوں... لیکن میں ایک بات ضرور جانتا ہوں سر..."

"اور وہ کیا؟" انھوں نے منہ بنایا۔

"یہ کہ جو ملک دوسرے ملکوں کا محتاج ہو کر رہ جاتا ہے، وہ درحقیقت آزاد نہیں رہ جاتا... کیا یہ سچ نہیں ہے

سر... کہ ہم غلاموں کی سی زندگی پھر سے بسر کرنے لگے ہیں... پہلے ہم انگریز کے غلام تھے... پھر اپنے ملک کے سرمایہ داروں کے اور اب چند بیرونی طاقتوں کے... آخر ہم کیوں اس غلامی سے نجات حاصل نہیں کر لیتے۔"

"میں یہاں یہ باتیں کرنے نہیں آیا... جو کہنا ہے... وہ کہو۔" صدر صاحب بولے۔

"پہلے آپ بتا دیں... راجی دادا کتنا ہی بڑا مجرم کیوں نہ ہو... کیا آپ اسے سزا نہیں دے سکتے۔"

"ثبوت کے بغیر میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

"آپ راجی دادا کو کیا سمجھتے ہیں... یہ کس ملک کا آدمی ہے۔"

"انشارجہ کا۔"

"شکریہ... کم از کم آپ کو یہ تو معلوم ہے... ورنہ میں تو ڈر رہا تھا کہ کہیں آپ کو یہ بات معلوم نہ ہوئی تو کیا ہو گا۔"

"آگے چلو..." صدر صاحب غرائے۔

"آگے کیا چلوں... میں نے تو آپ سے پوچھا ہے کہ ہم راجی دادا کو سزا دے سکتے ہیں یا نہیں۔"

"اگر اس نے ملک کے قانون کو توڑا ہے... تو ثبوت پیش

کرو۔"

"لیکن پھر آپ انشارجہ کی کوئی بات نہیں سنیں گے۔"

"ہرگز نہیں... تم فکر نہ کرو... انشارجہ نے ہمیں ہمیشہ یہ یقین دلایا ہے کہ راجی دادا جیسے لوگ ان کے ایجنٹ ضرور ہیں... لیکن وہ ہمارے ملک کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتے... ملک کو نقصان پہنچانے والا کوئی کام نہیں کرتے..." صدر صاحب بولے۔

"اگر بات یہی ہے سر... تو پھر انشارجہ کے سفیر نے دو تین مرتبہ جاپانیوں کے مرکز میں جاکر ان کے سرغنہ سے خفیہ ملاقاتیں کیوں کی ہیں..." انسپکٹر جمشید نے اعتراض کیا۔

"میرا خیال ہے... یہاں اس موضوع پر بات کرنے کی ضرورت نہیں... ویسے تمھاری اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ وہ صرف ملنے کے لیے گئے تھے۔"

"یہ آپ کہتے ہیں... عوامی حلقے یہ نہیں کہتے... اور علمائے کرام بھی یہ نہیں مانتے... اور دلیل اس کی یہ ہے کہ جس وقت سے یہ سفیر آیا ہے... پہلے کبھی جاپانیوں سے ملنے نہیں گیا... اگر بات صرف ملاقات کی ہوتی تو اس سے پہلے بھی وہ کئی بار ملاقات کے لیے گیا ہوتا... لیکن وہ

خاص طور پر ان دنوں میں اوپر تلے تین مرتبہ گیا ہے... میں کہتا ہوں... دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔" انسپکٹر جمشید جذباتی انداز میں کہتے چلے گئے۔

"اچھا خیر... اس مسئلے کو بعد میں دیکھیں گے... پہلے تو تم راجی دادا کی بات کر لو... تمھارے پاس ان کے خلاف کیا ثبوت ہے... اور ہاں جمشید... میرا وقت بہت قیمتی ہے... ثبوت بالکل مکمل ہونا چاہیے... نامکمل ثبوت میرا موڈ آف کر دے گا۔"

"اچھی بات ہے سر... میں ان شاء اللہ مکمل ثبوت پیش کروں گا... فلم چلاؤ بھئی۔" انھوں نے کسی نظر نہ آنے والے ماتحت سے کہا۔

اور پھر دیوار پر فلم شروع ہو گئی... راجی دادا اور صدر اس فلم کو حیرت زدہ ہو کر دیکھنے لگے... ان کے منہ کھلے کے کھلے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں... اور فلم ختم ہونے کے بعد بھی منہ بند نہ ہو سکے... آنکھیں اپنی اصلی حالت پر نہ آ سکیں... آخر انسپکٹر جمشید کی آواز نے انھیں چونکنے پر مجبور کیا:

"ہاں صاحب صدر! اب آپ کیا کہتے ہیں... یہ ثبوت مکمل ہے یا نامکمل؟"

"اگر یہ ثبوت نامکمل ہے... تو پھر مکمل ثبوت کیسا ہوتا ہے،"

مسٹر راجی دادا... آپ کیا کہتے ہیں؟

"میں اقرار کرتا ہوں... یہ سب جرم میں نے کیے ہیں، آپ مجھے سزا نہیں دے سکتے... انشارجہ کی پوری حکومت میری پشت پر ہے۔" اس نے فخریہ انداز میں کہا۔

"سن لیا آپ نے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جمشید... خدا کے لیے خاموش رہو... میں بعد میں تم سے معافی مانگ لوں گا... لیکن معاملات کو سلجھانے میں میری مدد کرو... انشارجہ نے ہمیشہ یہی اطمینان دیا ہے کہ راجی دادا جیسے لوگ ہمارے ملک کے مفاد میں کام کر رہے ہیں... وٹاس اور شارجستان وغیرہ کی سازشوں کو جڑ سے اکھاڑنے کا کام کر رہے ہیں... لہذا آپ ان کی حفاظت کریں... انھیں جیلوں میں جانے سے بچائیں... اور اگر کسی وقت اتفاق سے جیل میں چلے بھی جائیں تو انھیں فوراً نکلوا دیں... اس طرح ہماری اور آپ کی دوستی قائم رہ سکتی ہے... اور جو شخص بھی اس دوستی کے راستے میں آئے... اسے آپ راستے سے ہٹا دیں... ملازمت سے الگ کر دیں... یا ملک سے باہر کہیں بھیج دیں... تاکہ ہمارے ایجنٹ اس ملک کی بہتری کے لیے آزادانہ کام کرتے رہیں۔"

"تو پھر آپ نے دیکھ ہی لیا... کہ یہ حضرت آزادانہ کیا کام کرتے رہے ہیں... سو سے زائد آدمی اس نے قتل کرائے

ہیں... ان میں سے اکثر محب وطن تھے... ملک کے لیے کام کرنے والے تھے... اور کچھ ایسے تھے... جن کا قتل معاوضہ حاصل کرنے کے لیے کیا گیا... آخر انھیں اپنی عیاشیوں کے لیے رقم بھی تو اسی ملک سے کمانی ہے... انشارجہ انھیں کوئی تنخواہ تو نہیں دیتا... اس نے تو انھیں کھلی چھٹی دے رکھی ہے... کہ بس تم جو جی میں آئے، کرو... جس طرح چاہے... پیسے کماؤ... لہذا ثبوت میں آپ نے دیکھ ہی لیا کہ اس نے صرف مجھ سے میرے دوست خالد عزیز کے قتل کے لیے پانچ لاکھ روپے وصول کیے... اور ان میں سے اس نے حصہ اپنے آدمیوں کو بھی دیا... اور پولیس کو بھی... گویا ان سب لوگوں کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ کوئی شخص قتل کرانا چاہتا ہے... قتل ہونے والا غریب کون ہے... بس انھیں تو غرض اپنے پانچ لاکھ سے ہے، اور اب میں آتا ہوں... جیل میں پندرہ آدمی قتل کرانے کے منصوبہ کی طرف... یہ منصوبہ انتہائی گھناؤنا ہے... ان میں سے پانچ کو یہ میری کوشش کے باوجود موت کے گھاٹ اتار چکا ہے، حالانکہ میری کوشش یہ تھی کہ ایک قتل کے بعد... جو کہ میری لاعلمی میں ہو چکا تھا... کوئی اور نہ ہونے پائے... لیکن آپ نے مجھے فوراً ملک بدر کر دیا... اور میں جان گیا کہ راجی دادا اب پھر یوں کریں... انشارجہ ہر حال میں ان پندرہ آدمیوں کو موت

کے گھاٹ اتار دینا چاہتا ہے... آپ جانتے ہیں... کیوں؟"

"ن... نہیں... میں نہیں جانتا۔" صدر صاحب اب بالکل ڈھیلے پڑ چکے تھے۔

"تو پھر مجھ سے سن لیں... یہ پندرہ کے پندرہ آدمی ہمارے ملک کے بہترین سیاست دان ہیں... سیاست دان ضرور ہیں... لیکن ہیں وطن سے محبت کرنے والے... وطن کو کوئی نقصان پہنچے، یہ وہ کسی صورت میں برداشت نہیں کرتے... ان پندرہ آدمیوں کی اپنی اپنی سیاسی جماعتیں ہیں... یہ جماعتیں بھی ملک کے لیے بہت کام کرتی رہتی ہیں... یہ سب باتیں میں نے رہنماؤں سے جمع کی ہیں... قتل ہو جانے والے پانچ سیاسی لیڈروں کے نام سامنے رکھ کر جیل کے باقی دس آدمیوں کو الگ کر لینے کا کوئی مشکل کام نہیں... بات آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے... اب نہیں... جب یہ پندرہ آدمی قتل ہو جاتے... تو ان کی پارٹیوں میں پھوٹ پڑ جاتی... پارٹی کا لیڈر کون بنے گا اور کون نہیں، یہ جھگڑا پیدا ہوتا... اگر کہیں نہ ہوتا تو پیدا کر دیا جاتا... اور جب ملک کی پندرہ محب وطن سیاسی جماعتیں بکھر جاتیں... پارہ پارہ ہو جاتیں... تو ہمارے ملک کو کمزور کرنے کی کوششوں میں سے یہ ایک کامیاب کوشش ہوتی... اس قسم کی ان گنت کوششیں انشارجہ، وناس، شارجستان اور بیگال کرتے رہتے ہیں... پوری

دنیا میں یہ ہمارے بڑے دشمن ہیں... کچھ اور چھوٹے دشمن بھی ہیں... برمان جیسے... لیکن اس وقت ان کی بات نہیں... صرف بڑے دشمنوں کی بات کر رہا ہوں... یہ لوگ ہمیشہ سے اس کوشش میں ہیں کہ ملک کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا جائے... تاکہ ایک بار پھر ہمیں غلام بنا لیا جائے... اور دیکھا جائے تو ہمیں ذہنی طور پر تو کب کا غلام بنایا بھی جا چکا ہے... ہم غلام ہی تو ہیں سر... کب نہیں ہیں۔" انسپکٹر جمشید کی آواز بھرا گئی۔

"ہاں جمشید! تم ٹھیک کہتے ہو... مجھے معاف کر دو... میں نے تمہارا بہت دل دکھایا ہے... لیکن تم نہیں جانتے... انشارجہ کے صدر کی دھمکیاں کس قدر خوف ناک تھیں... اور ان تمام دھمکیوں کا زور صرف اور صرف اس پر تھا کہ تمہیں ملک بدر کر دیا جائے۔"

"جی ہاں! میں سمجھتا ہوں... جب آپ مجھے ملک بدر کر رہے تھے... میں تو اس وقت بھی جانتا تھا کہ آپ دل پر بہت بڑا پتھر رکھ کر مجھے ملک بدر کر رہے ہیں... خیر چھوڑیں... اب کیا کرنا ہے... یہ سوچیں۔"

"تم یہ بتاؤ... اب ہم کیا کریں؟"

"آپ یہاں سے ایوانِ صدر چلے جائیں... میں جانوں... راجی

دادا جانے۔" انھوں نے کہا۔
"اور انشارجہ؟"
"آپ کو کوئی علم نہیں ہو گا کہ میں نے راجی دادا کے ساتھ کیا کیا... لہٰذا آپ ان سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کو نہیں معلوم راجی دادا کہاں ہے... کیوں کہ تھوڑی دیر بعد یہ کم از کم یہاں نہیں ہو گا... کہاں ہو گا... یہ میں آپ کو نہیں بتاؤں گا... مگر آپ ان سے کہہ دیں کہ آپ کو نہیں معلوم۔"
"ہوں... لیکن ایک راجی دادا کو غائب کرنے سے کیا ہو گا؟"
"آپ فکر نہ کریں... میں ایک ایک کر کے ایسے تمام راجی دادا کو موت کے گھاٹ اتاروں گا... اس نے اپنا نام موت رکھا ہوا ہے... لیکن اب ان جیسی موتوں کی موت واقع ہو گی... آپ دیکھ ہی لیں گے۔"
"تو کیا یہ کیس میں اتنا ہی تھا۔"
"اس کیس کا انچارج کوئی اور ہے... راجی دادا کو تو صرف عملی کام سونپا گیا تھا... پلاننگ کسی اور کی تھی... اور میں نے یہ بات شروع میں ہی جان لی تھی... کہ پلاننگ کس کی تھی... اس کو بھی گرفتار کرنا ہو گا... بلکہ نہیں... مسئلہ گرفتاری سے حل نہیں ہو گا... ادھر ہم گرفتار کریں گے... ادھر انشارجہ کا فون آ جائے گا... لہٰذا اس کا انجام بھی راجی دادا جیسا کیوں نہ کیا جائے۔"

"اجازت ہے جمشید... ملک کو بچانے کے لیے اس قسم کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔"
"اجازت کی ضرورت... بھئی واہ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔
"تم احمق ہو۔" فرزانہ یک دم بولی۔
"کیوں... کس طرح؟" فاروق نے بھنا کر کہا۔
"اس طرح کہ اس سے پہلے ایک نام گزر چکا ہے... جو واضح کسی ناول کا نام ہو سکتا تھا... لیکن تم نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔"
"اور وہ نام کیا تھا؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔
"ابھی ابھی ابا جان نے بتایا تھا... راجی دادا نے اپنا نام موت رکھا ہوا ہے... اب موت کی موت واقع ہو گی... تو کیا موت کی موت ایک ناول کا بہت اچھا نام نہیں ہو سکتا؟"
"ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔" فاروق نے سرد آہ بھری اور وہ مسکرا کر رہ گئے... اسی وقت صدر صاحب نے کہا:
"وہ دوسرا آدمی کون ہے... تم نے یہ نہیں بتایا۔"
"یہ بات بتانے سے تعلق نہیں رکھتی... اگر آپ اس کی گرفتاری کا منظر دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمارے ساتھ چلیے... لیکن

میک اپ میں۔"

"بھئی واہ... یہ تو بہت پُرلطف رہے گا۔" صدر صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

"اتنا زیادہ بھی پُرلطف نہیں رہے گا... کیوں کہ بعض اوقات لطف میں بھنگ بھی پڑ جاتی ہے۔" فاروق بولا۔

"لطف میں بھنگ۔" صدر صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

"ج... جی... وہ... رنگ میں بھنگ ہوتا ہے نا۔" فاروق نے شرما کر کہا۔

"اوہ اچھا... میں سمجھا... بھئی واہ..." وہ ہنس دیے۔

انھوں نے صدر صاحب کا میک اپ کیا... راجی دادا کی حالت بہت بری تھی... اس نے انھیں جاتے دیکھا تو گھبرا کر بولا:

"صاحب صدر... آپ مجھے ان کے پھندے میں چھوڑ کر بہت بڑی غلطی کریں گے... انشارجہ آپ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔"

"کوئی بات نہیں... ہم تمھیں نہ ماریں گے... تو بھی وہ اینٹ سے بجانے کی کوشش کر رہا ہے... فرق کیا پڑ جائے گا۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"ہاں فاروق... تم نے بالکل ٹھیک جواب دیا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن اس صورت میں تو وہ وقت نہ جانے کب آئے... آ بھی سکے یا نہیں... میری موت کی صورت میں وہ وقت بہت جلد آ جائے گا۔"

"جو وقت آنا ہے... ہم اس کو کس طرح روک سکتے ہیں... لہٰذا پروا نہ کرو... اور موت کو خوشی سے گلے لگا لو..." یہ کہہ کر وہ اپنے ماتحتوں کی طرف مڑے:

"اس قسم کے ملک دشمنوں کے ساتھ تم جو کرتے ہو... وہی اس کے ساتھ کرو... سمجھ گئے..."

"جی بالکل۔"

"وہ... وہ... وہ کیا۔" راجی دادا نے گھبرا کر کہا۔

"اچھا... یوں مزا نہیں آئے گا... میں ذرا دوسرے شکاری کو بھی شکار کر لاؤں... پھر دونوں کو اپنے سامنے ہی جہنم میں پہنچائیں گے۔"

"اوکے سر۔"

"شکاری کا شکار... میرا خیال ہے... یہ نام بھی ناول کے لیے برا نہیں۔"

"میرا خیال ہے... اب تم مصنف بن ہی جاؤ۔"

"مصنف بنتے بھی نہیں بنتی..." فاروق نے منہ بنایا۔

"کیوں... کیوں... خیر تو ہے۔"

بھئی... مصنف بننے کے بعد آدمی اور کسی کام کا نہیں رہ جاتا، گویا بالکل بے کار ہو کر رہ جاتا ہے... اور میرا ابھی بالکل بے کار ہو کر رہ جانے کا کوئی پروگرام نہیں... جب ہو گا تو بن جاؤں گا۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

وہ مسکرانے لگے... پھر وہاں سے باہر نکلے... انسپکٹر جمشید نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی... آندھی اور طوفان کی طرح کار چلاتے وہ جیل کے سامنے آ پہنچے:

"یہ کیا... آپ تو ہمیں جیل لے آئے ہیں۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"تو اور کیا کرتا... کہاں لے جاتا؟"

"میرا خیال تھا... آپ ہوٹل خاصان جائیں گے۔"

"نہیں بھئی... وہاں سے تو ہم راجی دادا کو لے آئے ہیں، باقی تو اس کے گرگے ہیں، اور ان پر تو جب چاہیں ہاتھ ڈال لیں گے... پہلے بڑی مچھلیوں کا شکار کر لیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"شکریہ... آج کل آپ شکار بہت کر رہے ہیں۔" محمود ہنسا۔

"شکار کے دن ہیں نا... آؤ... اب چلیں... پہلی بڑی مچھلی کی طرف۔"

وہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے جیل کے دروازے پر پہنچے،

لیکن انھیں روک لیا گیا... عجیب ستم ظریفی تھی... صدر مملکت کو جیل کے اندر جانے سے روکا جا رہا تھا... محمود، فاروق اور فرزانہ کو روکا جا رہا تھا... انسپکٹر جمشید کو روکا جا رہا تھا، اور وہ چکر میں تھے کہ اب اندر کس طرح جائیں:

"یہ میرا کارڈ جیلر صاحب کو دے دو۔"

"اچھی بات ہے۔"

کارڈ اندر بھیج دیا گیا... تھوڑی دیر بعد اندر سے ایک سب انسپکٹر باہر آیا:

"کارڈ آپ میں سے کسی کا تھا؟" اس نے پوچھا۔

"میرا۔" وہ بولے۔

"آپ انسپکٹر جمشید نہیں ہو سکتے... آپ نے غلط کارڈ کیوں اندر بھیجا... کیا آپ سمجھتے ہیں... اس طرح اندر چلے جائیں گے۔"

"میں نے غلط کارڈ اندر نہیں بھیجا... میں انسپکٹر جمشید ہوں، لیکن اس وقت میک اپ میں ہوں۔"

"بالکل غلط... ہماری اطلاعات کے مطابق انسپکٹر جمشید اور ان کے بچوں کو ملک بدر کر دیا گیا ہے... اور انھیں کسی صورت اندر آنے کی اجازت نہیں دی جا رہی۔"

"اس کے باوجود میں یہاں موجود ہوں۔"

"اگر یہ سچ ہے... تب تو واقعی [illegible] جیل بنتی ہے

لیکن اس طرح نہیں... پہلے پولیس آپ کو گرفتار کرے گی، آپ
پر کیس بنائے گی... پھر آپ کو جیل بھیجا جائے گا۔"

"چلو ایسا بھی کر لیں... لیکن ہمیں اندر تو جانے دیں۔"

"نہیں... یہیں سے پولیس گرفتار کرے گی۔"

"اب کیا کیا جائے... آپ نے تو مجھے کہیں کا بھی نہیں
چھوڑا... جیل کا ایک سب انسپکٹر، انسپکٹر جمشید کو اندر جانے سے
روک رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ترکیب نمبر ۱۴۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" محمود بولا۔

انسپکٹر جمشید نے سب انسپکٹر کا ہاتھ پکڑ کر باہر کی طرف جھٹکا
دیا... وہ دور تک لڑھکتا چلا گیا... وہ فوراً اندر داخل
ہو گئے۔

"ارے ارے! یہ کیا..." سب انسپکٹر چلایا۔

لیکن اب وہ کہاں رکنے والے تھے... فوراً آگے بڑھ گئے،
اور جب تک سب انسپکٹر اور باقی لوگ ان تک پہنچے... وہ
ایک کمرے میں داخل ہو گئے...

"کیا مطلب... آپ لوگ کون ہیں، اور بغیر اجازت اندر
کس طرح آ گئے؟"

انھوں نے دیکھا... وہ کمرہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل کاشف علی

کا تھا...

"مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔"

"غلط بالکل غلط... انسپکٹر جمشید ملک میں نہیں ہو سکتے... انھیں
ملک بدر کر دیا گیا ہے۔"

"اچھا... تو پھر یہ دیکھیں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے میک اپ اتار دیا... ڈی ایس جیل
زور سے اچھلے...

سر اُٹھ نہ سکا

"تک... کیا مطلب... یہ... یہ تو واقعی انسپکٹر جمشید ہیں۔"

"بس... سر... میں نے انھیں روکنے کی کوشش کی تھی، لیکن یہ مجھے دھکا دے کر اندر چلے آئے۔" ایسے میں سب انسپکٹر اندر داخل ہوا۔

"میں ابھی ان کا بندوبست کرتا ہوں۔"

"لیکن اس سے پہلے آپ ہماری بات سن لیں... ہم یہاں ایک خاص کام سے آئے ہیں۔"

"اور وہ خاص کام کیا ہے؟" سب انسپکٹر نے فوراً کہا۔

"مہربانی فرما کر سپرنٹنڈنٹ صاحب کو بھی بلا لیں۔"

"کیوں... کیا بات ہے۔"

"بہت خاص بات ہے... ان کی موجودگی ضروری ہے۔"

"پتا نہیں... کیا چکر ہے... اگر میں یہ کہوں کہ نہیں... پہلے آپ لوگوں کی گرفتاری ضروری ہے تو؟"

"گرفتاری... ضروری ہے تو پہلے گرفتار کرا دیں... تو بات ہم بعد میں سنا دیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔" یہ کہہ کر کاشف علی نے پولیس کو فون کیا... پولیس اسٹیشن وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا... چند منٹ میں ہی پولیس وہاں پہنچ گئی، اور انھیں ہتھکڑیاں لگا دی گئیں...

"اب تو آپ کا اطمینان ہو گیا؟"

"ہاں! ٹھیک ہے۔"

"اب پہلے وقار غازی صاحب کو بلا لیں۔"

"اچھی بات ہے... لیکن اصولی طور پر تو ہمیں ان کے کمرے میں جانا چاہیے۔"

"ایسا کر لیتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

وہ سب وقار غازی کے دفتر میں داخل ہوئے... وہ ان سب کو دیکھ کر حیران رہ گئے...

"خیر تو ہے... یہ سب کیا چکر ہے بھئی۔"

"یہ چکر بہت عجیب ہے... سو میں وضاحت کرتا ہوں سر۔" کاشف علی نے کہا اور پھر تفصیل کہہ سنائی... آخر میں اس نے کہا،

"اب انسپکٹر جمشید کچھ کہنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن یہ ان کے ساتھ کون ہیں۔" وقار غازی نے صدر کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ! اب تک میں نے ان سے ان کے بارے میں نہیں پوچھا... ہاں تو انسپکٹر صاحب... یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟" کاشف علی نے پوچھا۔

"میرے ایک دوست... ساتھی اور ہمدرد۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"خیر! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"آپ کی خدمت میں چند نئی باتیں... جیل کے پندرہ آدمیوں کو قتل کرنے کا اعلان کیا گیا تھا... اور آپ لوگوں کو مجرموں کی طرف سے دھمکی بھی مل گئی تھی... اس سلسلے میں ضروری حفاظتی اقدامات بھی کر لیے گئے تھے... لیکن اس کے باوجود جیل میں واردات ہو گئی... اور یہ واردات راجی دادا کے ذریعے کی گئی... راجی دادا اس وقت جیل میں تھا... اس کا آدمی جس نے قتل کیا... اس کا نام بھی چوں کہ الف سے شروع ہوتا تھا... اس لیے وہ بھی اس کمرے میں رکھا گیا... جوں ہی تمام الف سے شروع ہونے والے ناموں کو رکھا گیا... اور اس نے نہایت خاموشی سے زہر کی سوئی ارسلان خان کے جسم میں اتار دی...

لیکن یہاں ایک اور عجیب بات سامنے آئی... جیل کے اس کمرے کے سامنے ایک کیاری میں سے بلو پائپ اور ایک خون آلود رومال ملا... خیال کیا گیا کہ وہاں قاتل چھپا بیٹھا تھا، اور اس نے بلو پائپ کے ذریعے ارسلان خان کو ہلاک کر دیا... لیکن اس دوران اس کا ہاتھ کسی کانٹے سے خون آلود ہو گیا... اپنا ہاتھ اس نے رومال سے صاف کیا، اور رومال اور پائپ وہیں چھوڑ کر وہ وہاں سے کھسک گیا... سوال یہ ہے کہ مجرموں نے تو اندر ایک آدمی کی ڈیوٹی لگا دی تھی، پھر آخر کیاری میں دوسرے آدمی کی کیا ضرورت تھی... اس نے اس بات پر بہت غور کیا... لیکن بات سمجھ میں نہ آئی، لیکن پھر اچانک ایک اور بات سامنے آئی اور اس بات کے ذریعے پہلی بات سمجھ میں آ گئی۔" انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ بعض اوقات مجرموں سے ایسی شان دار غلطیاں ہو جاتی ہیں کہ وہ ان کی نظروں میں غلطیاں ہوتی بھی نہیں... اب یہ کام سراغ رساں کا ہے کہ مجرموں کی ایسی غلطیوں کو نوٹ کرے... اگر سراغ رساں ذہین نہیں ہے، تو پھر وہ ایسی غلطیوں کو نوٹ نہیں کرے گا... اور بڑی

طرح ناکام ہو جائے گا... اس کیس کا ایک مجرم تو بالکل سامنے تھا... یعنی راجی دادا... اور دوسرا مجرم بالکل پوشیدہ تھا... اور اصل مجرم وہی تھا... پلاننگ اسی کی تھی، اور چوں کہ اس کا تعلق جیل سے تھا... اس لیے یہ مہم اس کو سونپی گئی تھی... اس نے پہلے ہی سارے حسابات لگا لیے تھے... کہ جیل میں کل کتنے محب وطن سیاسی لوگ موجود ہیں... ان کے نام کیا ہیں... اس طرح یہ سارا منصوبہ ترتیب دیا گیا... اس منصوبے کو ترتیب دینے اور اعلان کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی تھی کہ شہرت زیادہ سے زیادہ ہو... ملک دشمن عناصر... ایسی خبروں کو خوب اچھالتے ہیں، پندرہ محب وطن سیاسی رہنماؤں کے قتل کا مطلب یہ تھا کہ پندرہ سیاسی جماعتیں بے کار ہو کر رہ جائیں... ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیں اور ان کے مقابلے میں جو مطلب پرست سیاسی جماعتیں ہیں... وہ آگے بڑھ جائیں... ملک کے لیے یہ بات کس قدر نقصان کا باعث بنتی... ہم اس کا اندازہ بھی شاید نہ لگا سکیں... امید ہے... اب تو یہ ساری بات سمجھ گئے ہوں گے... چلتے چلتے یہ بھی بتا دوں کہ راجی دادا دراصل انشارجہ کا آدمی ہے... اور یہ سارا منصوبہ انشارجہ کے اشارے پر ترتیب دیا گیا تھا... لیکن جب میری وجہ

سے اس منصوبے پر عمل درآمد رک گیا... تو انھوں نے انشارجہ کے ذریعے مجھے ملک بدر کروا دیا... تاکہ یہ من مانی کر سکیں... لیکن میں ان حالات میں بھلا ملک سے باہر کس طرح رک جاتا... مجھے آنا پڑا... میری واپسی کے اگرچہ تمام راستے بند تھے... تمام دروازے بند تھے... اس کے باوجود میں آ گیا... اور آنے کے بعد میں نے راجی دادا کے ثبوت جمع کیے اور صدر مملکت کو پیش کر دیے... وہ دیکھ کر حیران رہ گئے... اور میری ملک بدری کا حکم واپس لینے پر مجبور ہو گئے... اس کے بعد جب میں نے انھیں بتایا کہ کیس کا اصل مجرم تو کوئی اور ہے، تو وہ بہت حیران ہوئے... لہٰذا میں ان کی حیرت دور کرنے کے لیے انھیں بھی ساتھ لے آیا ہوں۔"

"کیا مطلب... ساتھ لے آئے ہیں... لیکن یہاں تو صدرِ مملکت کہیں بھی نہیں ہیں۔"

"یہ جو میرے ساتھ موجود ہیں... جن کے بارے میں ابھی ابھی مجھ سے پوچھا گیا تھا... صدر صاحب یہی ہیں۔"

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ چلائے اور پھر اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"تشریف رکھیے..." صدر صاحب نے اپنی آواز میں کہا۔

"آواز تو بالکل وہی ہے۔"

"میں بالکل وہی ہوں... اور اب اپنا میک اپ اتار رہا

اصول؟" صدر صاحب بولے۔

وہ سب سکتے کے عالم میں انھیں میک اپ اتارتے دیکھتے رہے۔۔ آخر ان سب نے صدر صاحب کا اصل چہرہ دیکھ لیا۔

"اُف مالک۔۔۔ مجھ سے کس قدر بڑی گستاخی ہوئی ہے۔" سب انسپکٹر نے گھبرا کر کہا۔

"لیکن اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔" صدر صاحب مسکرائے۔

"بششش۔۔۔ شکریہ سر۔"

"ہاں جمشید۔۔۔ اپنا بیان شروع کرو۔"

"جی بہتر۔۔۔ لیکن اب کیا بیان شروع کروں گا۔۔ اب تو معاملہ حل ہو چکا ہے۔۔۔ صرف یہ بتانا ہے کہ راجی دادا کا انچارج یہاں کون ہے۔۔۔ اور کس طرح ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے۔۔۔ جیل میں۔۔۔" وقار غازی نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں جناب۔۔۔ جیل میں جب تک انشارجہ کا کوئی خاص آدمی نہ ہوتا۔۔۔ یہ پندرہ وارداتیں آسانی سے نہ کی جا سکتیں۔ ذرا غور کریں۔۔۔ پہلی واردات کمرے کے اندر بند ایک قیدی کے ذریعے کرائی گئی تھی۔۔۔ لیکن باہر بھی بلو پائپ موجود تھا۔۔۔ یہ اسی ایجنٹ کا تھا اور وہ وہاں صرف اس خیال سے

موجود تھا کہ اگر وہ قیدی ناکام رہا تو یہ باہر سے وار کر کے ارسلان خان کا کام تمام کر دیں گے۔"

"کک۔۔۔ کون؟" وقار غازی ہکلائے۔

"یہ کیس دراصل ہم نے وقار غازی صاحب کی مدد سے حل کیا ہے۔۔۔ بلکہ حل کیا کیا ہے۔۔۔ یہ کام ہی ان کا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے نئی بات کہی۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" صدر صاحب بولے۔

"انھوں نے ہمیں شروع میں ایک خاص بات بتائی تھی۔ انھوں نے اس بات کو محسوس کیا تو اپنے اوپر قابو رکھا۔۔ حیرت ظاہر نہیں کی تھی۔۔۔ اور ہم نے اسی اطلاع کی بنا پر نگرانی کا جال جب پھیلایا تو مجرم ہمارے سامنے آ گیا۔۔۔ لیکن اس دوران انشارجہ کے دباؤ کی وجہ سے ہمیں ادھر اُدھر دھکے کھانے پڑے۔۔۔ یعنی ملک بدر ہونا پڑا۔۔۔ اب میں اس بات کی طرف آتا ہوں۔۔۔ مجرم کی طرف سے خط وقار غازی کو ملا تھا۔۔۔ خط کھول کر لفافہ انھوں نے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا تھا۔۔۔ اس کے بعد ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کاشف علی کو بلایا تھا۔ باتوں کے دوران انھوں نے ایک جملہ بولا کہ ارجنٹ ڈاک والوں نے کچھ زیادہ ہی تیزی دکھا دی۔۔۔ یہ سن کر وقار غازی بہت حیران ہوئے تھے۔۔۔ لیکن انھوں نے اپنی حیرت ظاہر نہ ہونے

دی۔۔۔ان کی حیرت بجا تھی، آخر کاشف صاحب کو کس طرح پتا چل گیا تھا کہ لفافہ ارجنٹ ڈاک سے آیا ہے۔۔۔جب کہ وہ وصول ہی غازی صاحب نے خود کیا تھا۔۔۔اس بنا پر جب ہم نے سراغ رسانی شروع کی۔۔۔اور بہت خاص آدمیوں سے کاشف صاحب کی باقاعدہ نگرانی کرائی تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ اس سارے جوڑ توڑ میں دراصل ان کا دماغ کام کر رہا ہے، ساری پلاننگ ان کی ہے۔۔۔اور ملک کو حد درجے کمزور کرنے کا یہ ایک بہت بڑا منصوبہ تھا۔۔۔"

ان کے خاموش ہونے پر بھی وہاں موت کا سناٹا طاری رہا۔۔۔ہر کوئی کاشف علی کی طرف ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا۔۔۔شاید ان میں سے کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔۔۔کہ وہ بھی مجرم ہو سکتے ہیں۔۔۔لیکن مجرم نے اپنی صفائی میں کچھ بھی تو نہیں کہا تھا۔۔۔اس کا سر ایسا جھکا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔۔۔

فائدے کی بات

- اس ماہ آپ نے "خزانے کا بھوت"، "جیل میں قتل" اور "سونے کی کتاب" پڑھے۔
- آئندہ ماہ آپ "روشنی کا اغوا" (۱۸ روپے) "ایکشن + ایکشن" (۱۸ روپے) "چال کا جواب" (۱۸ روپے) اور "موت کا قدم" (۱۸ روپے) پڑھیں گے۔
- ان تمام ناولوں کی کل قیمت ۷۲ روپے بنتی ہے، لیکن یہ تمام ناول ایک ساتھ منگوانے پر ادارہ آپ سے صرف ۶۰ روپے وصول کرے گا۔
- اگر آپ اشتیاق احمد کے نئے دو ناول (روشنی کا اغوا اور ایکشن + ایکشن) منگوانا چاہتے ہیں تو ادارہ آپ سے ۳۶ روپے کی بجائے صرف ۲۹ روپے وصول کرے گا۔ آپ صرف خط لکھ کر آرڈر دیں۔

نوٹ: ادارہ آپ کو ناول بذریعہ وی پی ارسال کرے گا۔ پوسٹ مین آپ سے ۲۹ روپے کی بجائے ۳۱ روپے وصول کرے گا، یعنی ۲ روپے زائد لے گا۔ اس طرح بھی آپ کو ناول گھر بیٹھے ملنے کے ساتھ ساتھ دو ناولوں پر ۵ روپے اور چار ناولوں پر ۱۰ روپے کی بچت ہو گی۔

- ہے نا فائدے کی بات!

آرڈر بھیجنے کا پتا:

اشتیاق پبلی کیشنز، ۹/۱۶ نصیر آباد، سانده کلاں، لاہور۔ پوسٹ کوڈ نمبر ۵۴۰۰۰

- ان کے ملک میں ایک بہت بڑا پروگرام ہونے والا تھا۔
- اس پروگرام پر پوری دُنیا کی نظریں جمی تھیں۔
- پروگرام کی ہیروئن پروگرام کے بعد دُنیا کی سب سے زیادہ مال دار عورت بننے والی تھی۔
- لیکن اس عورت کو اغوا کرنے کا پروگرام بنایا جا چکا تھا۔
- آخر کیوں ؟ یہ سوال بہت اہم ہے۔
- یہ ڈیوٹی انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کی لگائی گئی کہ اسے اغوا نہ کیا جا سکے۔
- انسپکٹر جمشید نے بہترین انتظامات کیے اور اغوا کے امکانات کو بالکل ختم کر کے رکھ دیا۔
- عوامی ہال جس میں پروگرام ہونا تھا۔ اس میں کیا ہوا۔
- ایک انوکھا ناول۔
- آپ کی دلچسپیاں عروج پر ہوں گی۔
- چند بڑی طاقتیں اغوا کا ایک ہولناک ڈراما کیوں رچانا چاہتی تھیں۔
- ایک پُر اسرار عورت ۔ جو عوامی ہال سے تنہا نکلی۔
- محمود، فاروق اور فرزانہ نے مہمان عورت کی حفاظت کس طرح کی اور اس سلسلے میں انھیں کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے۔

- فاروق کی شوخیاں آپ کو بے ساختہ مسکرانے پر مجبور کر دیں گی۔
- انسپکٹر جمشید کا خیال تھا۔ دشمن روشنیاں بجھا کر اپنا کام نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں، لہٰذا انھوں نے ایسا انتظام کیا کہ ہال میں اندھیرا نہ ہو سکے۔
- تو پھر کیا وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ آپ حیران رہ جائیں گے۔
- اور جب روشنی کو اغوا کیا گیا۔ اس وقت کیا ہوا۔
- دُنیا بھر کے اخبارات نے اس سلسلے میں کیا خبریں لگائیں؟ دشمن ممالک نے کیا کیا؟ دوست ممالک نے کیا اعلانات کیے؟
- ان حالات میں انسپکٹر جمشید ایک نئے روپ میں سامنے آئے۔
- اس وقت انھوں نے ایک نیا اعلان کر دیا۔
- وُہ اعلان کیا تھا۔ پوری دُنیا نے اس اعلان کو سنا۔ اور پھر دُنیا بھر کے ٹی وی آن کر دیے گئے۔ پوری دُنیا میں انسپکٹر جمشید کی آواز گونج رہی تھی۔
- ان حالات میں انشارجہ کا ایک عجیب پیغام صدر صاحب کو ملا۔
- لیکن انھوں نے اس پیغام کو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔
- اس قسم کے جوڑ توڑ والے ناول آپ نے بہت کم پڑھے ہوں گے۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

منی خاص نمبر

محمود ۰ فاروق ۰ فرزانہ

— اور —

انسپکٹر جمشید سیریز

ناول نمبر ۳۷۱

ایکشن + ایکشن

مصنف: اشتیاق احمد

○ پروفیسر داؤد کی نظریں اس خبر پر پڑیں تو وہ مارے خوف کے اچھل پڑے۔

○ خبر بہت چھوٹی سی تھی، لیکن حد درجے خطرناک۔

○ انھوں نے فوراً پروفیسر غوری اور پروفیسر لقمان کو فون کیے۔ وہ دونوں وہاں پہنچے۔ ادھر انھوں نے انسپکٹر جمشید کو فون کیا، لیکن وہ نہیں ملے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے فون سُنا اور فوراً تجربہ گاہ پہنچے، لیکن....

○ اس لیکن کے بعد ایک پُراسرار ہنگامہ پرور کہانی شروع ہو جاتی ہے۔

○ ہر قدم پر موت کا سامنا۔ کوئی انھیں ختم کر دینے پر تلا ہوا تھا۔

○ اور اس کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔

○ اَن گنت آدمی اس کے لیے کام کر رہے تھے۔

○ انسپکٹر جمشید کہاں تھے؟ ایک سوال۔ جو گونجتا سُنائی دے گا۔

○ اور پھر جب انسپکٹر جمشید اس مہم میں شریک ہوئے تو ہنگامے اور بڑھ گئے۔

○ محمود، فاروق اور فرزانہ کو مجرم پھانسی دینا چاہتے تھے، ان کے لیے پھانسی کے تین پھندے بالکل تیار تھے۔

○ انسپکٹر جمشید نے انسانی شکل کی ایک عمارت کی تلاشی لینے کا پروگرام بنایا۔

○ تلاشی کا نتیجہ کیا نکلا۔

○ حیرت ہی حیرت۔

○ ایکشن کے شوقین قارئین کے لیے۔ آپ کو پورے ناول میں ایکشن ملے گا، لیکن ....

○ لیکن ایکشن کے ساتھ سسپنس اور دلچسپی بڑھتی ہی چلی جائے گی۔

○ ایک سوال۔ خبر کا راز کیا تھا؟ یہ سوال آپ کو پورے ناول میں گونجتا سنائی دے گا۔

○ لیکن آپ خبر کا راز آخر میں ہی جان سکیں گے۔

○ مجرم نے آخر وقت تک ایک بھرپور کوشش کی، اس کی کوشش کیا تھی؟

○ وہ اپنی اس کوشش میں مکمل طور پر کامیاب رہا تھا۔ اور قریب تھا کہ انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ اس کے مقابلے میں شکست کھا جائیں، لیکن عین وقت پر ان کی ایک چال نے کام دکھایا۔ وہ چال کیا تھی؟

○ اور آخر میں جب نقاب الٹا جائے گا تو آپ دھک سے رہ جائیں گے۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ اپریل کو پڑھیے | قیمت ۱۸ روپے

متفرق سلسلہ نمبر ۸۰

محمود ، فاروق ، فرزانہ

—— اور ——

انسپکٹر جمشید سیریز

چال کا جواب

مصنف : اشتیاق احمد

دو حصوں میں شائع ہونے والا یہ ناول اب ایک جلد میں شائع کیا جا رہا ہے۔

- پہلے یہ ناول "انوکھی چال" اور "چال کا جواب" کے نام سے شائع ہوا تھا۔
- دو آدمی انسپکٹر جمشید کو مقابلے کی دعوت دیتے ہیں۔
- محمود ، فاروق اور فرزانہ موٹر سائیکلوں پر جا رہے تھے کہ فرزانہ کے گلے سے لاکٹ اڑا لیا گیا۔
- لاکٹ اڑانے والے ٹیکسی میں سوار تھے۔
- لاکٹ اڑا کر اپنے تعاقب پر مجبور کرنا مجرموں کی ایک چال تھی۔
- گماٹا سے ملیے۔
- اس بار مجرم عجیب پروگرام لے کر آئے۔
- لی کاف - ایک خطرناک مجرم۔
- اُرمیکا کون تھا۔
- جزیرے پر ان پر کیا گزری۔
- گماٹا اور انسپکٹر جمشید کی ہولناک جنگ۔
- اس جنگ کا نتیجہ کیا رہا۔
- شکست کے بعد انسپکٹر جمشید نے کیا کیا اور چال کا جواب کیسے دیا۔
- مہمات سے پُر سنسنی خیز ناول۔
- خوب صورت اور نئے سرورق کے ساتھ۔

آئندہ ناول کی ایک جھلک

٢٠ اپریل کو پڑھیے

قیمت ١٨ روپے

انسپکٹر ارسلان سیریز نمبر ٦٩

گیارہواں خاص نمبر

ارسلان پارٹی + عمر پارٹی

ناول نمبر ٧٥

موت کا قدم

مصنف: آفتاب احمد

○ ایک ایسی حقیقت جس کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔

○ انسپکٹر ارسلان اور انسپکٹر عمر نے مل کر ایک بہت بڑا قدم اٹھایا۔

○ انسپکٹر ارسلان کے گھر ملک کے ایک مشہور جنگل کے باشندے کی آمد۔

○ اس باشندے نے انہیں ایک عجیب بات بتائی۔

○ جب وہ جنگل جانے کے لیے تیار ہوئے تو انہیں اغوا کر لیا گیا۔

○ ڈاکٹر فاروقی کے ذریعے جب انسپکٹر عمر کو پتا چلا تو وہ ان کی تلاش میں نکلے۔ ارسلان پارٹی کی تلاش انہیں ڈگول میں لے آئی۔

○ انسپکٹر ارسلان کو ایک چیز کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے ایئر سے رابطہ قائم کرنا پڑا۔ ایئر آخر میں ایک زبردست فائدہ اٹھا گیا۔

○ پروفیسر لقمان کی تجربہ گاہ کے عقب میں ایک خلائی جہاز اترتا ہے۔

○ اس خلائی جہاز سے ایک انسان نکلتا ہے جو پانچ سال پروفیسر لقمان کے پاس رہتا ہے۔

- پروفیسر لقمان نے اس خلائی انسان کو اپنے پاس کیوں رکھا؟
- فرضی ناول، جس کا نام ہی بڑا خطرناک تھا، ناول کیوں لکھوایا گیا، کس نے لکھا؟
- ازگاش، موگاش، بابیا اور روجال — چار خطرناک افراد کی پاک لینڈ آمد۔
- ارسلان پارٹی سے ان کا خوفناک ٹکراؤ ایک جزیرے پر ہوتا ہے۔
- دشمن دونوں پارٹیوں کو اپنے پھندے میں پھنسانے کے چکر میں تھا۔
- دنیا کی ایک خفیہ تنظیم — اس تنظیم کے ممبر کون کون حضرات تھے — جب آپ جانیں گے تو دھک سے رہ جائیں گے۔
- آخر میں انسپکٹر ارسلان کا پولیس کے دو سو جوانوں سے مختصر خطاب — اس خطاب کے بعد پولیس کے جوان چلتی گولیوں کے میدان میں کود گئے۔
- شرگو — ایک ایسی طاقت جس کے جال میں وہ بندھتے چلے گئے، اس کا انجام کیا ہوا؟

ایک یادگار ناول۔

انجمن دعوتِ فکر و عمل

جائز نہیں

۴۶

- قرآن کریم کے دوسرے پارے، سورۂ بقرہ کے اکیسویں رکوع، یت نمبر ۱۷۳ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

رجمہ: اور ہر وہ چیز جو خدا کے نام کے سوا دوسروں کے نام پر مشہور کی جائے، حرام ہے۔

- قرآن کریم کے چھٹے پارے، سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع کی آیت نمبر یں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

رجمہ: اور وہ چیز جو خدا کے سوا دوسروں کے نام پر مشہور کی جائے، حرام ہے۔

- حدیث شریف صحیح بخاری، جلد نمبر ۳، پارہ نمبر ۲۲، صفحہ نمبر ۱۴۱، دیث نمبر ۴۶۳، ذبیحہ کا بیان:

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ موضع 'اسفل بلاح' (ایک جگہ کا نام) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات زید بن عمرو بن نفیل سے ہوئی اور یہ قصہ وحی کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک خوان پیش کیا جس میں گوشت تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے سے انکار فرما دیا اور فرمایا، تمہارے بُتوں پر جو (جانور) ذبح کیے جاتے ہیں، ان کو میں نہیں کھاتا، بلکہ اللہ ہی کے نام پر جو ذبح کیے جاتے ہیں، ان کو کھاتا ہوں۔

○ حدیث شریف صحیح مسلم، جلد نمبر ۳، صفحہ نمبر ۸۶، حدیث نمبر ۴۸۵
باب نمبر ۱۰۴، ذبح کا بیان:

ترجمہ: حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا، حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے قصبہ طور پر کیا فرمایا تھا؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ سُن کر غصہ آ گیا اور فرمایا کہ حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوشیدہ طور پر کوئی ایسی بات نہیں کہی جس کو لوگوں سے

چھپانا مقصود ہو؛ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے چار باتیں فرمائی تھیں۔ ایک تو یہ کہ خدا اس شخص پر لعنت کرتا ہے جو اپنے باپ پر لعنت کرے، دُوسری یہ کہ خدا اس پر لعنت کرتا ہے جو غیر اللہ کے نام پر کوئی جانور ذبح کرے، تیسری یہ کہ خدا اس پر لعنت کرتا ہے جو کسی بدعتی کو پناہ دے اور چوتھی یہ کہ خدا اس شخص پر لعنت کرتا ہے جو زمین کی حدود کے نشانات کو بدل ڈالے یا مٹا ڈالے۔

○ حدیث شریف ابو داؤد شریف، جلد نمبر ۳، پارہ نمبر ۲۱، صفحہ نمبر ۵۰۱، حدیث نمبر ۱۴۶۵، باب ۶۱۵:

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام میں عقر نہیں ہے۔ عبدالرزاق نے کہا کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگ قبروں کے پاس جا کر گائے یا بکری کاٹا کرتے تھے، اس کو عقر کہتے ہیں۔ اسلام میں اس کی ممانعت کر دی گئی۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
خدا کے نام کے سوا کسی اور کے نام پر اگر جانور کو ذبح کیا جائے تو محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں یہ فعل شرک اور ایسے جانور کا گوشت کھانا حرام ہے۔

نوٹ : بعض لوگ کہتے ہیں کہ ذبح کرنے کے وقت خُدا کا
نام لینے سے ذبیحہ حلال اور پاک ہو جاتا ہے ، چاہے
نیت عوام کی خراب ہو ، سو یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ اس
واسطے کہ غیر خدا کی تعظیم کے لیے جانور مردار ہو جاتا ہے ،
چاہے اس پر اللہ کا نام لیا جائے —

(تفاریۃ الاوطار ، جلد نمبر ۴ ، صفحہ نمبر ۱۰۷)

اسی طرح غیر خدا کے نام پر جو چیز بھی قربان کی جائے گی
یا پکا کر تقسیم کی جائے گی ، جائز نہیں ہو گی —

خطوط کے آئینے میں

اشتیاق احمد صاحب

السلام علیکم ! میں آپ کے ناول شروع سے ، جب سے
ـپ نے لکھنا شروع کیے تھے ، اس وقت سے پڑھ رہا ہوں ،
ـبھی آپ کو خط لکھنے کی نوبت نہیں آئی ، نہ تنقید کے لیے
ـہ ہی تعریف کے لیے۔ وادیٔ مرجان سے پہلے آپ کے
ـں کی نوعیت کچھ اور تھی اور اس کے بعد کہانیوں کا رُخ تھوڑا
ـتبدیل ہو گیا۔ یہ اچھی بات ہے کہ آپ کچھ اچھی باتیں یعنی
ـ کی باتیں اس میں شامل کر دیتے ہیں۔ خیر میں کہنا یہ چاہتا
ـکہ آپ کے ناول "جڑ کا شکار" کی وہ باتیں پڑھ کر انتہائی دکھ
ـ، اگر اللہ نے آپ کو تھوڑی سی شہرت دی ہے تو اس کا
ـمطلب نہیں ہے کہ آپ تنقید کرنے والوں پر اپنا غصہ
ـں۔ پہلے ع م س صاحب نے جو کچھ بھی لکھا ، مان لیتا ہوں ،
ـتھا ، مگر مجھے آپ سے اتنی چھوٹی بات کرنے کی اُمید نہ
ـکہ آپ نے فوراً ان کی بُرائیاں لکھنا شروع کر دیں۔ حالانکہ
ـکو لکھنا چاہیے تھا کہ ع م س صاحب کی بات غلط ہے اور

رہے ہیں اور اپنے ارد گرد کے حالات سے غافل ہیں، انہیں آپ حقیقت سے روشناس کرانا چاہتے ہیں۔ مجھے آپ کی کتاب "مرزا غلام قادیانی" بہت پسند ہے۔ آپ نے اس کتاب کے ذریعے قادیانیوں کو خوابِ غفلت سے جگانے کی کوشش کی ہے۔

مجھے آپ کے کرداروں میں شوکی برادرز بہت اچھے لگتے ہیں، کیونکہ وہ صرف اور صرف اپنی ذہانت سے کام کرتے اور کیس حل کرتے ہیں، جبکہ محمود، فاروق، فرزانہ، آفتاب، آصف اور فرحت انسپکٹر جمشید یا انسپکٹر کامران مرزا کی مدد کے بغیر کیس حل نہیں کرتے۔ آپ کے ناولوں میں سب سے اچھی بات یہ ہے کہ آپ قلم کے ذریعے اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں اور ملک و قوم کو پیش آنے والے خطرات سے آگاہ کرتے ہیں۔

محمد معظم عارف، اسلام آباد

پیارے انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم! آپ کا نیا ناول "نیلے چاند کی موت" پڑھا بہت پسند آیا۔ اسے پڑھ کر آپ کے پرانے ناولوں کی یاد تازہ ہو گئی۔ آپ ایسے ناول لکھا کریں۔ شکریہ!

فاروق احمد حبیب، ڈاکخانہ ونڈر، ضلع لاہور

یہ غلط سمجھے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ آئندہ ناول کی دو باتیں میں اس کی وضاحت کریں گے۔

اب میں بھی آپ سے ایک گلہ کروں گا جو میں ہمیشہ سے چھپا کر بیٹھا تھا۔ آپ بہت اسلام کے دعوے دار ہیں، لیکن یہ جو شوکی سیریز میں آپ جلالی نور صاحب کو جلالی فور، جلالی طور اور خلالی جور لکھتے ہیں، اس کا کیا مطلب ہے۔ قرآن کریم میں اللہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اسلام لانے کے بعد ایک دوسرے کے ناموں کو نہ بگاڑو۔ امید ہے، میرے خط کا جواب فراخ دلی سے دیں گے۔ اللہ حافظ!

عدیل احمد (پتا نہیں لکھا)

ج: آپ سے سو فی صد متفق ہوں — میں خطا کا پتلا ہوں۔

ڈیر انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم! میں آپ کو پہلی بار خط لکھ رہا ہوں۔ میں آپ کی کہانیاں کافی عرصے سے پڑھ رہا ہوں۔ شروع شروع میں میں جاسوسی ناولوں کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ ایک دوست کے اصرار پر آپ کا ایک ناول پڑھا تو ایمان تازہ ہو گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ مرزائیوں اور دوسری برائیوں کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔ ایسے مسلمان جو غفلت کی نیند سو

سعید مختار کی ایک چونکا دینے والی کتاب

سُپر مسٹری

اُڑن طشتریاں ایک افسانہ یا حقیقت

- آپ سعید مختار صاحب کی بہت سی تصانیف کا مطالعہ کر چکے ہیں۔
- وہ ہر بار آپ کو ایک نئی اور انوکھی چیز دے جاتے ہیں۔
- لیکن اس بار تو انھوں نے کمال ہی کر دیا۔
- اُڑن طشتریاں ایک زمانے سے دُنیا کے لیے ایک سوال بنی ہوئی ہیں۔
- یہ کتاب آپ کو بتائے گی کہ اُڑن طشتریاں کیا ہیں۔
- سعید مختار صاحب نے ۴۱ انگریزی کتابوں اور ۱۰ رسائل سے مدد لے کر یہ کتاب ترتیب دی ہے۔
- اور پھر کتاب باتصویر بھی ہوگی۔
- جارج بش کو اڑن طشتری سے اُترنے والی مخلوق سے مُلاقات کرتے ہوئے دیکھیے
- آپ نے اس قدر معلومات افزا اور حیرت انگیز کتاب آج تک تک نہیں پڑھی ہوگی۔
- تاریخ اشاعت سے جلد آپ کو آگاہ کیا جائے گا ان شاء اللہ۔

اشتیاق احمد
کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور جاسوسی
سے بھرپور ناول
اس ماہ کے ناول
۳۶۸ — خزانے کا بھوت — انسپکٹر جمشید سیریز — ۱۸ روپے
۳۶۹ — جیل میں قتل — انسپکٹر جمشید سیریز — ۱۸ "
۸۰ — سونے کی کتاب — متفرق سلسلہ — ۱۰ "
آیندہ ماہ کے ناول
۳۷۰ — روشنی کا اغوا — انسپکٹر جمشید سیریز — ۱۸ روپے
۳۷۱ — ایکشن + ایکشن — انسپکٹر جمشید سیریز — ۱۸ "
۸۱ — چال کا جواب — انسپکٹر جمشید سیریز — ۱۸ "
۷۵ — موت کا قدم — انسپکٹر ارسلان سیریز کا خاص نمبر — ۱۸ "
اشتیاق پبلی کیشنز
نصیر آباد ۰ مسلم پورہ ۰ ساندہ کلاں ۰ لاہور فون نمبر
برانچ آفس — بازار لوہاراں ۰ جھنگ صدر — فون: ۳۲۹۵